تألیف

مولینا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ

۱۲۶۰ھ — ۱۳۳۷ھ
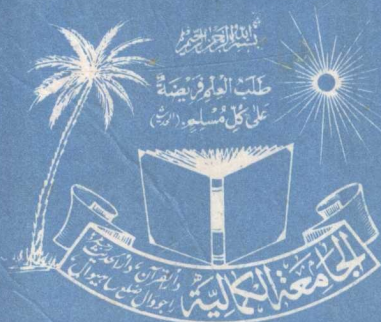
مکتبہ دار الحدیث رجسٹرڈ
راجووال ضلع ساہیوال (پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابراء اہل الحدیث والقرآن

مما فی جامع الشواہد من التہمۃ والبہتان

جماعت اہل حدیث اور مسلک اہلحدیث پر عائد کردہ الزامات و افتراءات کا جائزہ اور اصل صورت حال کی وضاحت

تالیف

مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری قدس اللہ روحہ

۱۲۶۰ھ ——— ۱۳۳۷ھ

ناشر

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ سلیم ناظم نشر واشاعت دار الحدیث کمالیہ رجسٹرڈ

راجووال ضلع ساہیوال ۔ پاکستان

سلسلۂ مطبوعات ۱۳

نام رسالہ ——————— ابراء اہل الحدیث والقرآن

مصنف ——————— شیخ القرآن والحدیث حافظ عبداللہ غازی پوری

ناشر ——————— عبداللہ سلیم ناظم دار الحدیث کمالیہ رجسٹرڈ راجووال ضلع ساہیوال ۔ پاکستان

طباعت ——————— جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ
اپریل ۱۹۸۲ء

پتہ

عبداللہ سلیم ناظم نشر و اشاعت دار الحدیث کمالیہ رجسٹرڈ
راجووال ضلع ساہیوال ۔ پاکستان

محتویات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب کے فاضل مصنّف

مولانا حافظ عبداللہ محدّث غازیپوریؒ کے مختصر حالاتِ زندگی

ولادت و نام ہندوستان کے مشہور قصبہ مئو میں ۱۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ نام عبداللہ تھا۔ سالہا سال مسندِ تدریس پر رہنے کے سبب اُستاذ الاساتذہ کے لقب سے شہرت حاصل کی۔

سکونت بچپن تو مئو میں گذرا۔ بالآخر ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں آپ کا خاندان اس گاؤں سے تقریباً ۲۰ میل دُور واقعہ غازی پور منتقل ہو گیا۔ اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ابتدائی تعلیم آپ کا حافظہ نہایت ہی قوی تھا۔ ۱۰-۱۲ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ اس کے بعد فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب مولانا قائم رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو قصبہ مئو میں رہتے تھے۔ غازی پور منتقل ہونے کے بعد وہاں کے مشہور مدرسہ "چشمۂ رحمت" میں مولانا رحمت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسبِ فیض کیا۔ طبیعت نہایت ذکی پائی تھی کتاب کو ایک دفعہ دیکھ لینے سے اُس کے نقوش لوحِ دل پر ثبت ہو جاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شرح جامی، قطبی، اُصولِ عربیہ اُردو منطق وغیرہ کے چند اوراق پڑھے تھے اور وہی کافی ہو گئے۔

تحصیلِ علوم کے لیے سفر۔ ان دنوں جونپور کے ایک مدرسہ "امام بخش" کی بہت شہرت تھی۔ جس کے صدر مدرس مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لکھنویؒ تھے۔ علمی تشنگی دور کرنے کے لیے جونپور تشریف لے گئے اور اپنی خداداد ذہانت و لیاقت سے جلد ہی مولانا ممدوح کے مقبول شاگرد بن گئے۔ علوم و فنون میں مہارتِ تامہ یہیں سے حاصل کی۔

حدیث و تفسیر شوقِ تکمیلِ حدیث نے آپ کو شیخ الکل میاں سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلی کی خدمت میں پہنچا دیا اور علمِ حدیث اور علمِ تفسیر وغیرہ کی تکمیل سید صاحب سے

کی حضرت شیخ الکل آپ کی ذہانت طبع اور جودتِ فہم کے بہت مداح تھے چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں بس دو عبداللہ آئے ہیں۔ ایک حضرت عبداللہ غزنویؒ اور دوسرے حافظ عبداللہ غازی پوری، دراصل یہ دونوں حضرات آسمانِ فیوضِ نذیریہ کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

مسلک اہل حدیث سے وابستگی آپ کی طبیعت ابتداہی سے انصاف پسند اور تحقیق طلب واقع ہوئی تھی۔ توفیقِ الٰہی نے دست گیری فرمائی حنفی مذہب سے کنارہ کش کرکے مسلکِ اہل حدیث اختیار فرمایا مگر ہر کام کے لیے ظاہری اسباب ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت حافظ صاحب موصوف کا اپنا بیان ہے۔

"دورانِ تدریس مولانا لطف حسین عظیم آبادی، مولانا نعمت اللہ عظیم آبادی اور مولانا محمد سعید صاحب بنارسی جیسے کچھ ایسے طلبہ آئے جو اصولِ حنفیہ اور فقہ حنفی پر اعتراضات کرتے اور تحقیق کا پہلو تلاش کرتے۔ میں احناف کی طرف سے جواب دیتا رہا۔ آخر کار میں نے سوچا کہ جوبات تحقیق سے گری ہوئی ہو اس کی خواہ مخواہ تائید کرنا عقل ونقل سے بعید ہے اور احادیث نبویہؐ کو صرف یہ کہہ کر ٹال دینا کہ یہ شوافع کے موافق ہیں نہایت ہی غلط طریق کار ہے۔ پھر یہ اصولی لوگ بھی ہمارے جیسے غیر معصوم تھے۔ بنابریں آنکھیں بند کرکے ان کی تائید کرتے رہنا کارِ عقلمندان نیست، اسی فکر نے مجھے تقلید سے کنارہ کش اور علمِ حدیث کی جانب متوجہ ہونے پہ مجبور کیا، انہیں دنوں مجھے ایک خواب آیا جس نے میرے اس فکر کو تقویت بخشی، لوگوں کا ایک ہجوم کسی سے مصافحہ کر رہا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اتنے میں ایک آدمی مجمع ہجوم سے باہر نکلا میں نے اُسے کہا کہ اپنا ہاتھ مجھے دے دو تاکہ میں بھی مشرف ہو جاؤں۔ اُس نے کہا کہ واسطہ کی کیا ضرورت ہے خود آگے بڑھو اور بلاواسطہ شرفِ مصافحہ حاصل کرو۔ چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر خود پیغمبر علیہ السلام سے شرفِ مصافحہ حاصل کیا اس کی تعبیر میں نے یہ سوچی کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے اس خواب کے ذریعہ متنبہ فرمایا ہے کہ عمل بالسنۃ وتحقیق مسائل کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور فکری جمود اور تقلید سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، اس کے

بعد میں نے مذہب حنفیت کو ترک کر کے مسلک اہل حدیث اپنا لیا۔"

مسند تدریس۔ فن تدریس میں انہیں کس قدر مہارت تھی؟ حضرت مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"جناب حافظ صاحب پر مشکل سے مشکل کتاب اور باریک سے باریک فن ریاضی اقلیدس فلسفہ منطق کا پڑھانا ایسا آسان کر دیا گیا تھا جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لوہا۔"

تکمیل حدیث کے بعد آپ واپس اپنے قصبہ میں تشریف لائے اور مدرسہ "چشمۂ رحمت" میں مدرس اعلیٰ متعین ہوئے، سینکڑوں طلبہ نے اس چشمۂ رحمت سے کسب فیض کیا، تدریس میں اس قدر مصروف ہوئے کہ دیگر علمی مشاغل کے لیے آپ کو وقت نہ ملتا تھا حتیٰ کہ دن کے بقیہ اسباق رات کو پڑھاتے، لبسا اوقات مدرسہ سے گھر آتے آتے راستہ میں سبق دیتے، علوم عقلیہ و نقلیہ کی گتھیاں بڑی مہارت سے حل کرتے۔ فن عروض میں کافی دسترس رکھتے تھے، آپ کے بھانجے مولانا عبدالرحمان بقا فرماتے ہیں کہ جب میں کوئی عربی قصیدہ لکھتا تو ماموں صاحب عروض کی غلطیاں نکالتے۔ مختصر یہ کہ آپ جامع العلوم ہی نہیں بلکہ بحر العلوم تھے۔ پیش نظر کتاب کی تصنیف کی بنا پر حامیان تقلید نے آپ کو اس قدر تنگ کیا کہ آپ اپنا آبائی مسکن غازی پور چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ احباب کے اصرار پر آپ آرہ تشریف لے گئے اور مدرسہ احمدیہ (سلفیہ) کے صدر المدرسین قرار پائے اور تقریباً بیس برس تک درس و تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔

درس قرآن مدرسہ احمدیہ (سلفیہ) آرہ میں درس و تدریس کے علاوہ آپ نے درس قرآن کا خصوصی اہتمام فرمایا چنانچہ بانکی پور کے وکلا اور بیرسٹر حضرات اتوار کے دن خصوصی اجتماع کرتے اور حافظ صاحب بلاناغہ اس اجتماع میں درس قرآن دیتے، یہ حلقہ بہت مؤثر ثابت ہوا۔ اہالیان دہلی کے بار بار اصرار کرنے پر جب آپ دہلی تشریف لے آئے تو درس قرآن کا سلسلہ بدستور جاری رکھا۔ مدارس حنفیہ کے مدرسین اور طلبہ بھی اس حلقہ میں شریک ہوتے۔

تصانیف۔ درس و تدریس کی عظیم مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سے رسائل تصنیف

فرمائے مختلف علوم وفنون پر مختصر کتابیں لکھیں، مقدمہ مسلم کی شرح عربی میں تحریر فرمائی، علم فرائض میں تسہیل الفرائض لکھی منطق میں "رسالہ منطق" اور نحو میں "النحو" تصنیف فرمائی۔ اسی طرح علم صرف میں "فصول احمدی" لکھی، "سلم الصرف" عربی میں تحریر کی جس کی شرح آپ کے بھانجے عبدالرحمان بقا نے عربی زبان میں لکھی جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ نیز "رکعات تراویح" "ابراء اھل الحدیث والقرآن (جو اس وقت قارئین کے ہاتھوں میں ہے) الکلام النبا ہ فی رد ہفوات من منع مساجد اللہ" فتویٰ زکوٰۃ وغیرہ۔

وفات جب آپ دہلی میں قیام پذیر تھے تو اچانک لکھنؤ کے مشہور ڈاکٹر خان بہادر عبدالرحیم غازی پوری انتقال فرما گئے جو آپ کے قریبی تھے اس وجہ سے لکھنؤ آئے یہاں آکر خانگی جھگڑوں میں ایسے اُلجھے کہ واپس نہ جا سکے۔ زندگی کے باقی ایام یہیں بسر ہوئے۔ چنانچہ صرف ایک ہفتہ بیمار رہ کر ۲ صفر ۱۳۳۷ھ مطابق ۶ نومبر ۱۹۱۸ء بعد از نماز عصر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور اپنے خالق کے ہاں بار پایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا الشیخ محمد خلف الرشید حسین محدث الیمنی کی امامت میں نماز جنازہ ادا ہوئی۔ ۷۰ سال ضیا پاشی کرنے والا یہ آفتاب لکھنؤ کے قبرستان میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

سنہ وفات "رفت در جنت" ہے۔
۱۳۳۷ھ

"اللھم اغفرلہ وارحمہ واعفہ واعف عنہ"

مصادر ترجمہ نزہتہ الخواطر (عربی) ج ۸ ص ۲۸۷ - ۲۸۸

اہلحدیث امرتسر۔ ۲۸ نومبر ۱۹۱۹ء - ۲۳ جنوری ۱۹۲۰ء

یاد رفتگان :۔ از مولانا سید سلیمان ندوی رح

تراجم علمائے حدیث ہند از ملک امام خاں نوشہروی رح

تذکرہ علمائے اعظم گڈھ ص ۱۹۷-۱۹۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا

گذارشِ احوالِ واقعی

قیامِ پاکستان کے چند سال بعد لاہور میں ایک رسالہ چھپا جس کے نام اور تعارف میں درج ذیل عبارت ہے۔

"جامع الشواھد فی اخراج الوھابیین عن المساجد "، تمام گمراہوں کو اہلِ سنت والجماعت کی مسجدوں سے نکال دینے کا فتویٰ" مصنفہ مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ، ناشر مکتبہ نبویہ لاہور سالِ طباعت ۱۹۵۰ء۔"

فتویٰ حاصل کرنے کے لیے سوالات قائم کیے گئے ہیں کہ:۔

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے اہلِ سنت والجماعت اس امر میں کہ یہ گروہ غیر مقلدین اہلسنت والجماعت میں داخل ہے یا مثل اور فرق ضالہ کے اہلِ سنت سے خارج ہے۔

۲۔ ان کے ساتھ مخاطبت اور مجالست اور ان کو اپنی مسجدوں میں آنے دینا درست ہے یا نہیں۔

۳۔ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔" ص۳

اور جواب لکھا گیا ہے کہ:۔

" فرقہ غیر مقلدین کی علامت ظاہری اس ملک میں آمین بالجہر یعنی آمین پکار کے کہنا اور رفع الیدین اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ہے۔ اہل سنت سے خارج ہیں اور مثل دیگر فرق ضالہ۔ رافضی خارجی وغیرھا کے ہیں کیونکہ ان کے بہت سے عقائد اور مسائل اہل سنت کے مخالف ہیں" ص۴

پھر وہ "عقائد اور مسائل" لکھ کر نتیجۃً فتویٰ یہ دیا گیا ہے کہ:۔

• غیر مقلدوں (یعنی اہل حدیث) سے مخالطت اور مجالست کرنا اور ان کو اپنی خوشی سے

اپنی مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے۔" (ص ۹)

اور کہ:۔ "ان غیر مقلدوں کے پیچھے نماز درست نہیں" (ص ۱۱)

واضح رہے کہ رسالہ یا فتویٰ مذکورہ ۱۸۸۳ء (۱۳۰۲ھ) کے لگ بھگ (تقریباً ایک صدی قبل) صادق پور (عظیم آباد پٹنہ بھارت) کے علاقے میں اُس زمانے میں چھاپ کر عوام میں تقسیم کیا گیا تھا جب کہ مجاہدین صادق پور کے ایک بقیۃ السلف اور صاحبِ علم و فضل فردِ فرید مولانا عبدالرحیم صادق پوری رحمۃ اللہ علیہ جزائر انڈیمان (کالاپانی) میں بیس سال کی قیدِ فرنگ سے رہا ہو کر صادق پور اس پابندی کے ساتھ آئے تھے کہ وہ دو وقت روزانہ انگریزی تھانے میں اپنی حاضری لکھوائیں۔ اس پُرآشوب دور میں جب کہ وہابی (اہلحدیث) انگریز کے مظالم کا خاص ہدف تھے۔ مذکورہ بالا فتویٰ (ایک ایسے ہی اور رسالے کے ساتھ) انگریزی حکومت کی سرپرستی میں تقسیم کرایا گیا۔ چنانچہ انگریزوں کا مقصد پورا ہوا کہ اس علاقہ (بہار وغیرہ) میں اہل حدیث کو جبراً مسجدوں سے نکالنے کی پوری کوشش کی گئی جس سے مذہبی فسادات شروع ہو گئے اور نوبت عدالتوں میں مقدمات جانے تک پہنچ گئی جن کی تفصیل ان رودادوں میں موجود ہے جو اس سلسلے میں رسالوں کی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔

مذکورہ فتویٰ میں وہابیوں (یعنی اہل حدیث) کی طرف جن "عقائد اور مسائل" کا انتساب کیا گیا ہے۔ چونکہ وہ سب الزامات غلط بیانی اور مغالطوں پر مبنی تھے۔ اس لیے جید اور فاضل علمائے اہل حدیث نے ان کے مندرجہ ذیل مفصل جوابات تحریر فرمائے اور شائع کیے۔

(۱) ابراء اهل الحديث والقرآن مما فی جامع الشواهد من التهمة والبهتان
تالیف مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری رح

(۲) کاشف المکائد فی رد من منع عن المساجد (مؤلف کا اسم مل نہ سکا)

(۳) صیانة المؤمنین عن تلبیس المبتدعین۔ (تالیف عبداللہ میواتی از بھرت پور ہند)

(۴) عمارۃ المساجد بہدم اساس جامع الشواھد ۔
تالیف مولانا محمد سعید بنارسی متوفی ۱۳۲۲ھ
(۵) جامع الفوائد (تالیف مولانا عبید اللہ پائلوی متوفی ۱۳۱۰ھ) مصنف کتاب تحفۃ الہند وغیرہ)

یہ پانچوں رسائل اُس دور میں سعید المطابع بنارس سے شائع ہوئے تھے (جو بحمد اللہ راقم کے پاس موجود ہیں) ان میں ہر مؤلف نے اپنے اپنے انداز میں ان سب بے بنیاد الزامات کے جو "جامع الشواہد" میں اہل حدیث پر لگائے گئے تھے مدلل طریقے سے جوابات دیدیے اور ثابت کر دیا کہ وہ سب خلافِ واقعہ ہیں۔ اور اس سلسلے میں بیان کردہ مغالطوں کی بڑی وضاحت سے قلعی کھول دی گئی۔ وللہ الحمد۔

وہ ایک پُر آشوب دور تھا۔ اُس میں عُلمائے کرام کی جو آپس میں چپقلش اور نوک جھونک تھی اب پاکستان میں خصوصاً اُن مردہ بحثوں کو اکھیڑنا ہرگز مناسب نہیں۔ تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون (معلوم نہیں ایسے اشتعال انگیز فتویٰ کی پاکستان میں اشاعت کی کیا ضرورت تھی۔ تاہم چونکہ وہ شائع ہو چکا ہے جو تصویر کا صرف ایک ہی رُخ حقائق و واقعات سے بے خبر عوام کو دکھاتا ہے، جس سے عوام کا مغالطے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ بنا بریں تصویر کے دوسرے پہلو کو بھی (جو اس کا صحیح اور حقیقی رُخ ہے) منظرِ عام پر لانا ضروری ہو گیا۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر محب مکرم مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ دار الحدیث کمالیہ راجووال ضلع ساہیوال پنجاب پاکستان مذکورہ پانچ جوابی رسائل میں سے اول الذکر رسالہ ابراء اھل الحدیث والقرآن مما فی جامع الشواھد من التھمۃ والبھتان ـــــ کو دوبارہ شائع کر رہے ہیں تاکہ ملک و ملت کے بداندیش بعض حضرات جماعت اہل حدیث کے خلاف آج کل بھی جو ایسے بے سرو پا شگوفے چھوڑتے رہتے ہیں ان کا مناسب توڑ امکانی حد تک مہیا ہو سکے۔ فجزاہ اللہ

احسن الجزاء۔

حالیہ اشاعت میں مشہور صاحب علم وفضل محقق جناب مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۷ھ) (مولف رسالہ ہذا) کے مختصر حالات بھی شامل کردیے گئے ہیں۔ اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ والباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔ آمین

خادم الحدیث واھلہ

خاکسار ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

مدیر ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور

دارالدعوۃ السلفیہ لاہور

جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مارچ ۱۹۸۲ء

وجہ تالیف

از مولانا محمد سعید بنارسیؒ متوفی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ النبی الامی محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین والہ وصحبہ واھل بیتہ اجمعین

امابعد راجی رحمۃ اللہ المجید محمد سعید کنجاہی مولدًا و بنارسی موردًا اخوان مسلمین کی خدمت میں گذارش کرتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا سبب یہ ہے کہ جب مولوی امانت اللہ صاحب غازی پوری نے شہر غازی پور میں عاملان حدیث کے ساتھ بے جا مزاحمت کرنی شروع کی اور ان کو بلا وجہ خلاف دستورِ قدیم مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روک ٹوک کرنے لگے تب جناب جامع منقول و معقول مولوی حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری مدرس مدرسہ چشمۂ رحمت نے جناب مسٹر آر دین صاحب بہادر کلکٹر ضلع غازی پور سے اس امر کی اطلاع کی اور استدعا کی کہ جناب ممدوح بذریعہ اپنی خاص چٹھی کے مولوی صاحب موصوف سے دریافت فرمائیں کہ وہ اس بارے میں کیوں مزاحمت کرتے ہیں جن وجوہات سے اپنے کو وہ اس مزاحمت کا مجاز سمجھتے ہوں اس سے اطلاع دیں۔

چنانچہ صاحب ممدوح نے یہ استدعا منظور فرمائی اور اپنی خاص چٹھی مولوی صاحب کے پاس بھیج دی۔ مولوی صاحب نے جو اس چٹھی کا جواب لکھا صاحب نے اس کو مولوی عبداللہ صاحب کے پاس بھیج دیا۔

چونکہ جواب مذکور میں مولوی صاحب نے کوئی بات استفسار کے مطابق نہیں لکھی۔ نہ تو کسی آیت یا حدیث کا حوالہ دیا، نہ امام ابوحنیفہؒ (جن کے مقلد ہونے کا ان کو ادعا ہے) کے کسی فتوے کا پتہ بتایا بلکہ اس کے بدلے بہت سی زائد اور فضول باتیں اس میں درج کر دیں۔ وجہ کتابی ایک بھی نہ لکھی محض زبانی جمع خرچ پر اکتفا کی۔ علاوہ اس کے بیچارے عاملانِ حدیث پر بے جا اتہاموں کا طومار باندھا اور جھوٹ جھوٹ باتیں ان کی طرف منسوب کر کے مغالطہ اور فریب دہی سے اپنا کام نکالنا چاہا۔ اس لیے جناب مولانا مولوی حافظ عبداللہ صاحب نے جواب مذکور کی مفصل کیفیت لکھ کر صاحب ممدوح کے حضور میں بھیج دی۔

اور چونکہ مولوی صاحب نے اپنی اس بے جا مزاحمت کے جواز میں گلابی چوورقہ یعنی کتاب جامع الشواہد (جس کو کسی بدخواہِ قوم نے آپس کے بُغض و عناد بڑھانے اور تفرقہ و مہاجرت کے سبق پڑھانے کی غرض سے بنا کر اور اس میں اہل حدیث پر بیجا تہمتیں لگا کر اور جھوٹی سچی مہروں سے مسجل کرا کر شائع کیا تھا) کا حوالہ دیا تھا لہٰذا اس کتاب کا پورا جواب لکھ کر ہمراہ تحریر مذکور کے صاحب ممدوح کی خدمت میں ارسال کیا اور ایک نقل اور بھی اس غرض سے کہ مولوی صاحب کے پاس ارسال فرمائی جائے، صاحب ممدوح کے حضور میں بھیجی چنانچہ صاحب ممدوح نے دونوں مولوی صاحب کے حوالہ فرما دیں اور جب جواب کتاب مذکور صاحب ممدوح کے حضور میں ارسال کیا تو یہ بات بھی لکھ دی کہ جن جن کتابوں کے ہم نے حوالے دیئے ہیں وہ سب کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں اور ان میں بعض کتابیں عاریت

کی بھی ہیں اور وہ اب سے ایک مہینے تک اور ہمارے پاس رہ سکتی ہیں اگر مولوی صاحب کو ہمارے کسی حوالے میں کہیں پر کچھ شک وشبہہ ہو تو رفع کر لیں۔ ہم اصل سے مقابلہ کرا دینے کو حاضر ہیں۔ لیکن الحمد للہ کہ مولوی صاحب کو کسی حوالہ میں کچھ شک نہ گزرا سب کو بالراس والعین تسلیم کر لیا اور آج سولہ مہینے ہو چکے اب تک کچھ چون وچرا نہ کیا۔ چونکہ جامع الشواہد مذکور (جس کے مضامین خلاف واقع اور سراسر فساد انگیز ہیں اور اسی فساد انگیزی کی غرض سے اس کے بانیان نے اس میں غلط باتیں درج کر کے شائع کیا ہے) کے شائع ہونے سے بہت لوگ جو اس کے حال سے واقفیت نہیں رکھتے تھے اس کے غلط مضامین کو صحیح سمجھ کر دھوکے میں آ گئے اور اس وجہ سے بہت جگہوں میں باہمی نزاع وفساد کی بنیاد قائم و مستحکم ہو گئی اور جا بجا حفظ امن عام میں فتور پڑ گیا اور اس جواب میں اس کے مضامین کا غلط وفتنہ انگیز ہونا نہایت خوبی وعمدگی سے برعایت طریقہ تہذیب وانصاف ثابت کر دکھایا ہے۔ جس کے شائع ہونے سے امید ہے کہ ناواقف لوگ اس کے ملاحظہ سے کتاب مذکور کے حال سے بخوبی واقف ہو جائیں گے اور جن کے دل خبث جبلّی سے پاک ہیں وہ اس دھوکے سے نکل کر طالب اتفاق واتحاد ہو جائیں گے لہذا اکثر احباب ہمدرد وخیر خواہ قوم وخواہان اتفاق نے اس کے چھپ جانے کی استدعا کی۔ اس لیے اس کو طبع کیا جاتا ہے۔

ابتدائے رسالہ

ابراء اهل الحدیث والقرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی
سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین
محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ——— اما بعد

یہ ایک رسالہ کا جواب ہے، جس کا نام

جامع الشواھد فی اخراج الوھابیین عن المساجد ہے

اور جواب کا نام:

ابراء اھل الحدیث والقرآن مما فی جامع الشواھد من التھمۃ والبھتان ہے

یہ رسالہ تین سوالوں کے جواب اور آخر میں ایک تقریر اور قریب ساٹھ مہروں و دستخطوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف نے پہلے سوال کے جواب میں فرقہ

اہل حدیث کی (جن کو عنوان میں بلفظِ "وہابیین" اور جواب میں بلفظِ "غیر مقلدین" تعبیر کیا ہے) علامتِ ظاہری چار چیزیں بیان کی ہیں

نمبر۱۔ آمین بالجہر یعنی پکار کر آمین کہنا۔

نمبر۲۔ رفع الیدین کرنا۔

نمبر۳۔ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا۔

نمبر۴۔ امام کے پیچھے الحمد پڑھنا۔

پھر لکھا ہے کہ یہ لوگ اہلِ سنت سے خارج ہیں اور مثل دیگر فِرَقِ ضالہ رافضی خارجی وغیرہما کے ہیں اور اس کی دلیل یہ لکھی ہے کہ ان کے بہت سے عقائد اور مسائل مخالف اہل سنت کے ہیں پھر دس عقائد اور گیارہ مسائل ان کی طرف منسوب کرکے ذکر کیے ہیں۔ دوسرے سوال کے جواب میں دو دعوے کیے ہیں۔

ایک یہ کہ فرقہ اہلِ حدیث سے مخالطت اور مجالست کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

دوم یہ کہ ان کو اپنی خوشی سے مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے۔

پہلے دعوے کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ مسائل مذکورہ سے معلوم ہوا کہ یہ فرقہ اہل بدعت ہے اور مخالطت اور مجالست اہل بدعت سے شرعاً ممنوع ہے۔

اس دلیل کے اخیر فقرے کے ثبوت میں ایک حدیث اور دو عبارتیں دو کتابوں کی نقل کی ہیں۔

اور دوسرا دعوے (کہ اہل حدیث کو اپنی خوشی سے مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے) اس کا کچھ ثبوت نہیں دیا ہے۔

تیسرے سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ فرقہ اہل حدیث کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ لکھی ہے کہ مسائل مذکورہ اور عقائد مسطورہ بعض موجب کفر اور بعض مفسدِ نماز ہیں۔ آخری تقریر میں معاہدہ مصدقہ عدالت کمشنری دہلی کی

بلے اعتباری تین وجہوں سے بیان کی ہے۔ یہ رسالہ کا خلاصہ ہے۔

اب ہم اس کے ہر ایک امر پر غور کرتے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ اس کے ہر ایک امر پر غور کریں، دو امر کی اطلاع دینی ضروری سمجھتے ہیں:۔

ایک یہ کہ مولانا ابوسعید محمد حسین لاہوری سلمہ اللہ تعالیٰ اشاعۃ السنۃ نمبر ۵ جلد ۶ بابت ماہ مئی ۱۸۸۳ء کے سرورق پر امور مندرجہ رسالہ ہذا منسوبہ بجانب اہل حدیث کی کتب معمولہ و متمسکہ سے ثابت کر دینے پر ہزار روپیہ انعام دینے کا اشتہار جاری کر چکے ہیں مگر آج تک رسالہ دار (مصنف رسالہ) یا اس کے کسی جانب دار سے امور مذکورہ کا اثبات نہ کیا۔ اس اشتہار کی بعینہٖ نقل یہ ہے:۔

"اشتہار ایک ہزار روپیہ

خاکسار بذریعہ اشتہار ایک ہزار روپیہ نقد سکہ رائج الوقت کا اس شخص کو وعدہ انعام دیتا ہے جو ان مفتریات و بہتانات کا جو اہلحدیث کے ذمہ لگائے جاتے ہیں (اور وہ اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۶ بصفحہ ۱۲۹ منقول ہیں) ان کے ان کتب معمولہ و متمسکہ سے (جو شرقاً و غرباً و سلفاً و خلفاً ان کی متمسک بہا ہیں) ثابت کرے یا ان کا داخل مذہب اہل حدیث ہونا ان اصول و قانون سے جو انتباہ حضرت شاہ ولی اللہ و میزان شعرانی و ایقاف ملاحیات سندی اور اشاعۃ السنہ نمبر ۱۱ جلد ۴ میں بصفحہ ۳۱۸ بیان ہوا ہے ثابت کرے۔

المشتہر:۔ ابو سعید محمد حسین لاہوری "

امر دوم یہ کہ اصل جواب اس رسالہ کا اسی قدر ہے کہ جو اس کا اصلی مقصود ہے۔

جس کے لیے اہل حدیث پر اس قدر تہمتوں کا طومار باندھا ہے (یعنی ان کو مسجد میں آنے نہ دینا یا ان کو نکال دینا) ایک محض بے دلیل بات ہے اور رسالہ وار (مصنف رسالہ) نے رسالہ بھر میں کہیں نام کو بھی اس کا ثبوت پیش نہیں کیا ہے محض زبانی جمع خرچ پر اکتفا کی ہے۔

اس سے زیادہ اس رسالہ کے جواب میں تضییع اوقات کرنا ضروری نہ تھا لیکن اس خیال سے کہ ان میں جن امور کی نسبت اہلحدیث کی طرف کی گئی ہے ان کے اتہام ہونے کا اظہار ضروری ہے، لہذا اس کے ہر ایک امر پر بحث کی جاتی ہے۔

پہلے سوال کے جواب پر بحث

یہ جو فرقہ اہل حدیث کو بلفظ "وہابیہ" تعبیر کیا ہے بالکل صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جب وہ صرف کتاب و سنت کے پیرو ہیں اور ایک نفیس لقب (یعنی اہل حدیث و اہل سنت و جماعت) سے ملقب ہیں اور اسی لیے اپنے کو کسی اگلے بڑے امام کی طرف منسوب نہیں کرتے، نہ اپنے کو حنفی و شافعی کہتے ہیں اور نہ مالکی و حنبلی کہنے پر راضی ہوتے ہیں تو ابن عبدالوہاب نجدیؒ کی طرف منسوب کرنے پر کب راضی ہوں گے۔

" علاوہ اس کے ابن عبدالوہاب نجدی جو وہابیوں کے پیشوا تھے خود حنبلی المذہب تھے اور اہل حدیث مذاہب مقلدین سے کسی مذہب کے مقلد نہیں تو ان کا تابع ہونا ابن عبدالوہاب نجدی کا کس طرح ممکن ہے۔ وہابی و اہل حدیث میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

علاوہ ازیں مذہب وہابیہ سنہ ۱۲۶۶ھ سے شروع ہوا اور اہلحدیث تیرہ سو ۱۳

برس سے بلکہ اس دن سے جس دن سے کہ اسلام دنیا میں آیا چلے آتے ہیں، پھر کس طرح یہ لوگ وہابی ہو سکتے ہیں اور ہرگاہ یہ لقب نہ ان کے اصول مذہب کے موافق ہے اور نہ وہ اس لقب پر راضی ہیں بلکہ اس لقب کو گالی سے بھی بدتر جانتے ہیں تو اس صورت میں ان کو اس لقب سے ملقب کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

اور جو ان کو لفظ "غیر مقلدین" سے تعبیر کیا ہے گو یہ تعبیر معنیً صحیح ہو لیکن بلا ضرورت ایک نئے لقب سے ملقب ہونے کو یہ لوگ ناپسند کرتے ہیں تو اس صورت میں ان کو اس لقب سے ملقب کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔

اور جو اہلِ حدیث کی علامت ظاہری چار چیزیں بیان کی ہیں (یعنی آمین بالجہر کہنا، اور رفع الیدین کرنا اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا) یہ بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ علامت کسی فرقہ یا کسی شے کی ایسی چیز ہونی چاہیے جو اسی فرقہ اور اسی شے میں پائی جاتی ہو اور اس میں اور دوسرے فرقوں اور چیزوں میں مشترک نہ ہو تاکہ وہ فرقہ اور وہ شے اس کے ذریعہ سے اور فرقوں اور چیزوں سے متمیز ہو اور ایسی چیز جو اس میں اور دوسرے فرقوں یا چیزوں میں مشترک ہو اس فرقہ اور اس شے کی علامت نہیں ہو سکتی اور یہ چاروں چیزیں جن کو رسالہ دار نے اہل حدیث کی علامت ظاہری قرار دی ہے، فرقہ اہلِ حدیث کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ ان میں اور دوسرے فرقِ مقلدین میں مشترک ہیں۔ چنانچہ آمین بالجہر اہل حدیث میں اور تین فرق مقلدین (شافعی، حنبلی اور مالکی) میں مشترک ہے بلکہ بعض محققین احناف نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے چنانچہ علامہ شیخ عبدالحق دہلوی حنفیؒ شرح صراط مستقیم مطبوعہ افضل المطابع کلکتہ کے ص۶۵ میں لکھتے ہیں:۔

"در جہر آمین در نماز جہری احادیث واقع شدہ و مذہب شافعی

واحمدؒ ہمیں ست ودر مذہب مالکؒ خلاف گونہ ہست"

اور جامع ترمذی مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ کے ۳۵ جلد اول میں مرقوم ہے:۔

و بہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین و من بعدھم یرون ان یرفع الرجل صوتہ بالتامین ولا یخفیھا و بہ یقول الشافعی و احمد و اسحٰق

ترجمہ:۔ اور یہی قول ہے بہت اہل علم کا اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں سے۔ یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ مرد اپنی آواز کو بلند کرے آمین کہنے میں اور اس کو پوشیدہ نہ کرے اور یہی قول ہے شافعی اور احمد اور اسحاق کا۔

اور علامہ امام ابن ہمام حنفیؒ فتح القدیر مطبوعہ نولکشور کے ۱۲۱ جلد اول میں حدیث اخفاء آمین کو چار دلیلوں سے ضعیف بتا کر حدیث جہر آمین سے اس کی تطبیق کی ایسی وجہ بیان کی ہے جس سے اصل جہر آمین کی تسلیم پائی جاتی ہے۔ چنانچہ کہا ہے۔

ولو کان الی فی ھذا شیٔ لوفقت بان روایۃ الخفض یراد بھا عدم القرع العنیف و روایۃ الجھر بمعنی قولھا فی زیر الصوت و ذیلہ الخ

ترجمہ:۔ اور اگر اس بات میں میرے اختیار میں کچھ ہوتا تو میں دونوں حدیثوں میں یوں تطبیق دیتا کہ آہستہ کہنے کی روایت سے یہ مراد ہے کہ کڑک سخت نہ ہو اور پکار کر کہنے کی روایت سے یہ مراد ہے کہ سینے سے نکلنے والی اور گونجنے والی آواز سے ہو

اور مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی سلمہ اللہ تعالیٰ نے التعلیق الممجد،

مطبوعہ مصطفائی کے صفحہ ۱۰۳ میں حدیث اخفاء آمین کی ضعف کی وجہ بتا کر فرمایا ہے۔

والانصاف ان الجهر قوی من حیث الدلیل

ترجمہ:۔ اور انصاف یہ ہے کہ پکار کر آمین کہنا دلیل کی روسے قوی ہے

اور رفع الیدین اول نماز میں (یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت) تمام فرقوں میں بلا خلاف مشترک ہے حتیٰ کہ احناف میں بھی جاری ہے اور دوسرے مواضع وسط نماز میں۔ (جیسے رکوع جانے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت) اہلحدیث اور تین فرقہ مقلدین مذکورین اور بعض احناف میں مشترک ہے اور بعض مواضع وسط نماز میں (جیسے تکبیرات عیدین اور قنوت وتر کے وقت) احناف اور بعض فرقہ مقلدین کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ شرح صحیح مسلم مطبوعہ نولکشور کے صفحہ ۱۶۸ جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اجمعت الامة علی استحباب رفع الیدین عند تکبیرة الاحرام و اختلفوا فی ما سواها فقال الشافعی واحمد وجمهور العلماء من الصحابة فمن بعدهم یستحب رفعهما عند الرکوع و عند الرفع منه و هو روایة عن مالك

ترجمہ:۔ امت محمدیہ کا اتفاق ہے رفع الیدین کے مستحب ہونے پر تکبیر تحریمہ یعنی اول نماز کے وقت اور اختلاف ہے اس کے ماسوا میں پس کہا شافعی اور احمد اور جمہور علماء نے صحابہ اور ان کے بعد کے لوگوں میں سے کہ مستحب ہے رفع الیدین رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت اور اس کی ایک روایت مالک سے بھی ہے

اور علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری مطبوعہ نولکشور کے صفحہ ۶۲ جلد دوم

میں لکھتے ہیں :۔

و ھذا مذھب الشافعی و احمد و قال الحنفیۃ لا یرفع الا فی تکبیرۃ الاحرام و ھو روایۃ ابن القاسم عن مالک

ترجمہ: اور یہ (یعنی رفع الیدین تینوں وقتوں میں) مذہب شافعی اور احمد کا ہے اور کہا حنفیہ نے کہ رفع الیدین نہ کرے مگر تکبیر تحریمہ میں اور یہی روایت ہے ابن قاسم کی مالک سے۔

اور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں :۔

و قال ابو العباس القرطبی مشھور مذھب مالک ان الرفع فی المواطن الثلاثۃ ھو اٰخر اقوالہ و اصحھا

ترجمہ: کہا ابو العباس قرطبی نے کہ مالک کا مشہور مذہب یہی ہے کہ رفع الیدین تینوں جگہوں میں ہے اور یہی آخر قول اُن کا ہے اور یہی صحیح تر ہے۔

اور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں :۔

و اما الرفع فی تکبیرۃ الاحرام فعلیہ الاجماع

ترجمہ: لیکن رفع الیدین تکبیر تحریمہ میں پس اس پر اجماع ہے۔

اور جامع ترمذی مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ کے ص۳۵ جلد اول میں مرقوم ہے :۔

و بھذا یقول بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ و سلم منھم ابن عمر و جابر بن عبد اللہ و ابو ھریرۃ و انس و ابن عباس و عبد اللہ بن الزبیر و غیرھم و من التابعین الحسن البصری و عطاء و طاؤس و مجاھد و نافع و سالم بن عبد اللہ وسعید

بن جبیر وغیرھم و به یقول عبد اللہ بن المبارک والشافعی و احمد و اسحٰق

ترجمہ: اور یہی قول بعض اہل علم کا ہے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ ان میں سے ہیں ابن عمرؓ اور جابر بن عبد اللہؓ اور ابو ہریرہ اور انس اور ابن عباس اور عبد اللہؓ بن زبیر وغیرہم اور تابعین میں سے حسن بصری اور عطاء اور مجاہد اور نافع اور سالم بن عبد اللہؓ اور سعید بن جبیر وغیرہم اور یہی قول ہے عبد اللہؓ بن مبارک اور شافعی اور احمد اور اسحاق کا۔

اور الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ مطبوعہ مطبع مصطفائی مصنفہ مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی حنفی سلمہ اللہ تعالیٰ کے صفحہ ۴۶ میں طبقات سمعانی اور طبقات قاری سے عصام بن یوسفؒ کے حال میں (جو علمائے حنفیہ اور امام ابو یوسفؒ کے شاگردوں میں سے ہیں) منقول ہے:

و کان یرفع یدیه عند الرکوع و عند رفع الراس منه

ترجمہ: اور عصام بن یوسفؒ رفع الیدین کرتے تھے رکوع جانے کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت۔

اور ہدایہ مطبوعہ مطبع مصطفائی کے صفحہ ۱۵۳، صفحہ ۱۵۴ جلد اول میں مرقوم ہے:

و یرفع یدیه فی تکبیرات العیدین

ترجمہ: اور رفع الیدین کرے تکبیرات عیدین میں۔

اور اسی کے صفحہ ۱۲۵ جلد اول میں مرقوم ہے:

و ان اراد ان یقنت کبر و رفع یدیه

ترجمہ: اور اگر ارادہ کرے قنوت پڑھنے کا تو تکبیر کہے اور رفع الیدین کرے۔

اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اہل حدیث اور دو فرقہ مقلدین مذکورین میں مشترک ہے بلکہ بعض اکابر حنفیہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ عبدالحق دہلوی حنفیؒ شرح سفر السعادۃ تالیف صاحب قاموس مطبوعہ مطبع افضل المطابع کلکتہ کے ص۶ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بر سینہ نہادن فوق سُرّہ مذہب امام شافعی است و روایتے از احمد نیز ہست وحجت ایشان حدیث وائل بن حجر است کہ گفت نماز گذاردم بارسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پس نہاد دست راست را بر دست چپ بر سینۂ خود۔"

اور امام نوویؒ شرح صحیح مسلم مطبوعہ نولکشور کے ص۱۷۳ جلد اول میں لکھتے ہیں:۔

هذا مذهبنا المشهور و به قال الجمهور

ترجمہ: یہ (یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا) ہم شافعیوں کا مشہور مذہب ہے اور یہی قول جمہور کا ہے۔

اور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں:۔

و دليل وضعهما فوق السرة حديث وائل بن حجر قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره رواه ابن خزيمة في صحيحه

ترجمہ: اور ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی دلیل حدیث وائل بن حجر کی ہے کہ کہا انہوں نے کہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پس رکھا آپ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر اپنے سینے کے اوپر۔ روایت کیا اس کو ابن خزیمہ نے اپنے صحیح میں۔

اور معمولات مظہریہ کے ص۸۹ میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی نماز پڑھنے کی کیفیت

میں مرقوم ہے :۔

"دو دست را برابر سینہ می بستند و می فرمودند ایں روایت است ارجح از روایت زیر ناف"

اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا اہل حدیث اور تین فرقہ مقلدین مذکورین اور ایک جماعت احناف اور صوفیہ میں مشترک ہے اور ایک روایت میں امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح سے بھی آیا ہے۔

چنانچہ علامہ قسطلانی ارشاد الساری مطبوعہ نولکشور کے صفحہ جلد دوم میں لکھتے ہیں :

وهذا مذهب الجمهور خلافا للحنفية

ترجمہ: اور یہ (یعنی امام کے پیچھے الحمد پڑھنا جمہور کا مذہب ہے حنفیہ کو اس میں خلاف ہے۔

اور جامع ترمذی مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ صفحہ ۴۳ جلد اول میں مرقوم ہے :۔

والعمل على هذا الحديث فى القراءة خلف الامام عند اكثر اهل العلم من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعين وهو قول مالك بن انس وابن المبارك والشافعى واحمد واسحق يرون القراءة خلف الامام

ترجمہ: اور عمل اس حدیث پر امام کے پیچھے الحمد پڑھنے میں اکثر اہل علم کے نزدیک ہے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین میں سے اور یہی قول ہے مالک بن انس اور شافعی اور ابن المبارک اور احمد اور اسحاق کا۔ یہ سب لوگ کہتے ہیں الحمد پڑھنے کو امام کے پیچھے۔

اور امام الکلام مصنفہ مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی سلمہ اللہ تعالیٰ کے صفحہ ۹ میں شرح وقایہ فصیح الدین سے منقول ہے :۔

و قال بعض المشائخ اذا قرء المقتدی فی صلوٰۃ المخافتۃ
لا یکرہ علیٰ قول محمد و الیہ مال الامام ابو حفص الکبیر

ترجمہ:۔ اور کہا بعض مشائخ نے کہ جب پڑھے مقتدی نماز سریّہ
میں تو نہیں مکروہ ہے محمد کے قول پر اور اسی کی طرف گئے ہیں امام
ابو حفص کبیر۔

اور اسی صفحہ میں منقول ہے:۔

لکن نقل عن جدی شیخ الاسلام نظام الملۃ و الدین
عبد الرحیم المشھور بین الانام بشیخ التسلیم و ھو مجتھد
فی مذھب ابی حنیفۃ باتفاق علماء ما وراء النھر و
خراسان انہ کان یقول یستحب الاحتیاط فیما یروی
عن محمد و یعمل بذلک و یقول لو کان فی فمی جمرۃ
یوم القیمۃ احب الیّ من ان یقال لا صلوٰۃ لک

ترجمہ:۔ لیکن میرے دادا شیخ الاسلام نظام الملۃ والدین
عبد الرحیم سے (جو خلق میں شیخ التسلیم کے لفظ سے مشہور ہیں اور وہ
ابو حنیفہ کے مذہب میں باتفاق علمائے ماوراء النہر و خراسان کے مجتہد
ہیں) منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ مستحب ہے احتیاطًا (یعنی
امام کے پیچھے الحمد پڑھنا) مطابق اس کے جو امام محمد سے مروی ہے
اور وہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن
میرے منہ میں انگارا بھرا جاوے تو یہ بہتر ہے میرے نزدیک اس سے
کہ کہا جاوے کہ تیری نماز نہیں ہوئی۔

اور صلا میں مرقوم ہے:۔

و (القول) الثالث ان قراءة الفاتحة مستحسنة و مستحبة فی السریة و مکروہ فی الجهریة فی روایة عن محمد کما ذکرہ صاحب الهدایة و الذخیرة وغیرهما و هو روایة عن ابی حنیفة کما ذکرہ الزاهدی فی المجتبیٰ و هو الذی اختارہ ابو حفص و شیخ التسلیم کما مر و ذکرہ بل جماعة من الحنفیة و الصوفیه کما قال صاحب التفسیر الاحمدی

ترجمہ: اور تیسرا قول یہ ہے کہ الحمد پڑھنا (امام کے پیچھے) مستحسن اور مستحب ہے سریہ نماز میں اور مکروہ ہے جہریہ میں ایک روایت میں امام محمدؒ سے ۔چنانچہ ذکر کیا اس صاحب ہدایہ و ذخیرہ وغیرہم نے ۔اور یہی ایک روایت ہے ابو حنیفہ سے بھی ۔چنانچہ ذکر کیا اس کو زاہدی نے مجتبےٰ میں ۔اور اسی کو اختیار کیا ہے ابو حفص اور شیخ التسلیم نے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا بلکہ اختیار کیا اس کو ایک جماعت نے حنفیہ اور صوفیہ سے جیسا کہ کہا صاحب تفسیر احمدی نے ۔

اور ص۱۳ میں مرقوم ہے :۔

و احسن هذہ الاقوال هو القول الثالث و هو وان کان ضعیفًا روایة لکنهٗ قوی درایة کما ستقف علیه

ترجمہ:۔ اور بہتر ان اقوال میں تیسرا ہی قول ہے اور یہ قول اگرچہ روایۃً ضعیف ہے لیکن درایۃً (یعنی دلیل کی رو سے) قوی ہے چنانچہ عنقریب تو اس پر واقف ہوگا ۔

اور معمولات مظہریہ کے ص۸۶ میں حضرت مظہر جانِ جاناںؒ کے نماز پڑھنے کی کیفیت

میں مرقوم ہے :۔

ونیز می فرمودند کہ سکوت مقتدی در قرا[illegible] ادلی ا[illegible]ت چنانچہ اسرار فاتحہ در سریّہ

اور جب معلوم ہوا کہ یہ چاروں چیزیں اہل حدیث او[illegible] دوسرے مقلدین فرق میں مشترک ہیں تو پھر علامت ظاہری فرقہ اہل حدیث کی کیونکر ہو سکتی ہیں ۔ مگر شاید رسالہ دار اور اس کے اعوان وانصار یہ کہیں کہ ہمارے سوا سب فرقے (اہل حدیث ہوں یا مقلدین) اہل سنت سے خارج ہیں اور مثل دیگر فرق ضالّہ رافضی خارجی وغیرہما کے ہیں ۔

اور جو اہلحدیث کی نسبت لکھا ہے (کہ یہ لوگ اہل سنت سے خارج ہیں اور مثل دیگر فرق ضالّہ رافضی خارجی وغیرہما کے ہیں اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ ان کے بہت سے عقاید اور مسائل مخالف اہل سنت کے ہیں ۔ پھر دس عقاید اور گیارہ مسائل ان کی طرف نسبت کر کے بیان کیے ہیں ۔) یہ بھی صحیح نہیں ہے دو وجہ سے۔

ایک یہ کہ ان عقاید ومسائل منسوبہ بجانب اہل حدیث میں سے اکثر ان کے عقاید ومسائل میں ہی نہیں ۔ ان مسائل کا انتساب ان کی طرف سراسر اتہام ہے چنانچہ اس کی تفصیل ان کے جوابات کے ذیل میں آتی ہے ۔

دوم یہ کہ ان عقاید ومسائل میں سے بعض تو فرقہ مقلدین اہل سنت ہی کے ساتھ خاص ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو فرقہ مقلدین اور حضرات صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین ومحدثین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں مشترک ہیں ۔ چنانچہ اس کی تفصیل بھی ان کے جوابات کے ذیل میں مذکور ہے ۔

پس جب اگر یہ دلیل جس کو رسالہ دار نے بیان کیا ہے اور جس کی رُو سے اہل حدیث کو اہل سنت سے خارج ٹھہرا کر مثل دیگر فرق ضالّہ کے قرار دیا ہے صحیح ہے تو

اس دلیل کی رو سے سوائے رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار کے جتنے فرقے مقلدین (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے موجود یا گزرے ہیں اور جتنے ان سے پہلے اہلِ اسلام حضرات صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و محدثین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین گزرے ہیں سب کے سب نعوذ باللہ اہلِ سنت سے خارج ہو جائیں گے اور مثل دیگر فِرَقِ ضالّہ رافضی خارجی وغیرہما کے ٹھہریں گے۔ اور ایسی بات کے کہنے پر سوائے رسالہ دار یا اس کے اعوان و انصار کے اور کس کو جرات ہو سکتی ہے یہ تو ثابت ہے اور سب کے نزدیک مسلّم کہ اگر کوئی کسی کو کافر یا بے دین یا لامذہب یا بدعتی یا گمراہ کہدے اور جس کو کہا ہے وہ ایسا نہ ہو تو خود کہنے والا ہی ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے (دیکھو کتاب الترغیب والترہیب للحافظ عبدالعظیم المنذری مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی صفحہ ۵۰۳، صفحہ ۵۰۴ و مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۴۳۴)

اور جب رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار نے اپنے سوا سب اگلے پچھلے مسلمانوں کو اہل سنت سے خارج کہدیا۔ اور سب کو گمراہ فرقوں میں داخل کر دیا۔ اور یہ بالیقین معلوم ہے کہ وہ لوگ ایسے نہ تھے تو چار و ناچار حضرت رسالہ دار اور ان کے اعوان و انصار کو خود ہی ایسا ہونا پڑا[1] کیوں نہ ہو دارِ مرداں خالی نہ باشد۔

---

[1] واضح ہو کہ جو ہم نے اس مقام و نیز دوسرے مقامات میں رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار و ہم خیال کو اس طرح کے الزامات ان کے کلاموں سے نکال کر دیئے ہیں صرف اس مسئلے کے مطابق دیئے ہیں کہ لازم مذہب کا عین مذہب ہوتا ہے جس کو انہوں نے تسلیم کیا ہے اور اس رسالہ میں و نیز دیگر رسائل میں برابر اس پر عمل کیا ہے اور اسی بناپر اہلحدیث کو اپنے خیال پر اہلِ بدعت اور خارج از اہلِ سنت کہدیا ہے ورنہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے۔ ہم اس کو غلط جانتے ہیں اور اپنے خاص مذہب کی رُو سے کسی کو اس طرح کا الزام نہیں دے سکتے حتی کہ خود وہ اس لازم کا التزام نہ کرلے۔

اللھم احفظنا من ھذہ العصبیۃ والجھالۃ و اعصمنا من حصائد الالسنۃ و البطالۃ

افسوس صد افسوس کہ مجیب صاحب نے کچھ سوچ بچار نہ کرلیا اور بن سمجھے بوجھے رسالہ دار کی اس تحریر کو تسلیم کرلیا بلکہ سند میں پیش کر دیا اور چار و ناچار ان کو بھی اگلے پچھلے اہلسنت کی جماعت سے خارج ہو کر رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار کی طرح ہونا پڑا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

اہل حدیث کے اصول عقائد

عقاید اور مسائل کے جواب سے پہلے ہم کو اپنے اصول مذہب کا لکھنا مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے اس لیے ہم اولاً اپنے مذہب کا اصل الاصول لکھتے ہیں پھر جواب میں قلم اٹھائیں گے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ

واضح رہے کہ ہمارے مذہب کا اصل الاصول صرف[1] اتباع کتاب و سنت ہے ۔

---

[1] اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل حدیث کو اجماع امت و قیاس شرعی سے انکار ہے ۔ کیونکہ جب یہ دونوں کتاب و سنت سے ثابت ہیں تو کتاب و سنت کے ماننے میں ان کا ماننا آگیا جس طرح استحسان و شرائع من قبلنا وغیرہ (دیکھو نورالانوار صفحہ ۵ و شرح مسلم الثبوت صفحہ ۳۰۹ وغیرہ) تو اب ان کے علیحدہ ذکر کرنے کی حاجت نہ رہی ۔ اسی وجہ سے بہت اکابر وائمہ دین کے کلام میں صرف کتاب و سنت ہی کا ذکر پایا جاتا ہے ۔ نہ اور کسی چیز کا ۔ چنانچہ اقوال بزرگان دین منقولہ آئندہ سے یہ امر واضح ہے حالانکہ ان کو اجماع امت و قیاس شرعی سے انکار نہیں ہے اور جن اکابر کے کلام میں ان دونوں کا بھی ذکر آگیا ہے ان کا قول بھی بجا ہے ۔ انہوں نے اپنی اصطلاح کے مطابق فرمایا

اور ہر ایک مسئلے میں کتاب وسنت ہی ہمارے مذہب کی کسوٹی ہے۔ کتاب و سنت کے مخالف کسی کا قول وفعل ہو (پیر کا، یا استاد کا، ماں باپ کا یا قوم و برادری کا، یا اور کسی کا) ہمارا مذہب نہیں ہے اور ہم اس سے بری اور بیزار ہیں اور اس کی دلیل یہی کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے جس کا ہم نے اپنے مہربان اللہ سے عہد کیا ہے اور اسی سے ملتجی ہیں کہ ہم کو ہمیشہ اس عہد پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ کرے آمین۔

اور جو ہم نے اپنے مذہب کا اصل الاصول بیان کیا ہے یہی تمام سلف صالحین صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین ومحدثین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مذہب کا اصل الاصول ہے چنانچہ چند اقوال اکابر وائمہ دین کے اس باب میں نقل کرتے ہیں۔

حضرت محبوب سبحانی سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ فتوح الغیب مطبوعہ نولکشور کے ص۲۱۵ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"کتاب وسنت کو اپنا پیشوا بنا اور دونوں میں تامل اور غور سے نظر کر اور دونوں پر عمل کر اور کسی کے قال وقیل وہوس سے فریب کھا۔"

اور ص۲۲ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"ہمارے لیے سوائے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نبی نہیں ہے جس کی ہم پیروی کریں اور نہ ہمارے لیے سوائے قرآن مجید کے کوئی کتاب ہے جس پر ہم عمل کریں۔ پس تو کتاب وسنت سے باہر نہ جا کہ ہلاک ہو جائے گا اور ہوائے نفس اور شیطان تجھ کو بہکا دیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو پیروی مت کر ہوائے نفس کی کہ تجھ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔ اور تمام آفتوں سے سلامتی کتاب وسنت کی پیروی ہی میں ہے۔ اور ہلاکی ان کے ماسوا میں اور انہیں دونوں کی پیروی سے بندہ ولایت اور بدلیت اور غوثیت کے درجے کو پہنچتا ہے۔"

المکر صفحہ ۱ میں فرماتے ہیں کہ :-

"جب تو اپنے دل میں کسی کی دشمنی یا دوستی پائے تو اس کے کاموں کو کتاب وسنت پر پیش کر (یعنی دونوں سے ملا) پس اگر اس کے کام کتاب وسنت کے مخالف ہوں (اور تو اس کو دشمن رکھتا ہے) تو تو اس بات سے خوش ہو کہ تو نے اس کی دشمنی میں اللہ اور اس کے رسول کی موافقت کی اور اگر اس کے کام کتاب وسنت کے موافق ہوں اور تو اس کو دشمن رکھتا ہے تو تو جان رکھ کہ تو صاحب ہوائے نفس ہے کہ اس کو اپنے نفس کی خواہش سے دشمن رکھتا ہے اور اس کے سبب سے تو اس پر ستم کرنے والا ہے اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول کا نافرمان اور مخالف ہے۔ پس تو اللہ کی طرف رجوع ہو اور اس کی دشمنی سے توبہ کر اور اللہ سے اس کی دوستی مانگ اور جو اس کے سوا اللہ کے پیارے اور دوست اور برگزیدہ اور نیک بندے ہیں سب کی اس سے محبت مانگ کہ تو اللہ کا اس کی دوستی میں موافق ہو جائے اور ایسا ہی اس شخص کے حق میں کہ جس کو تو دوست رکھتا ہے یعنی اس کے اعمال کو بھی کتاب وسنت پر پیش کر۔ اگر کتاب وسنت کے موافق ہوں تو اس کو دوست رکھ اور مخالف ہوں تو دشمن رکھ تاکہ ایسا نہ ہو کہ تو اس کو دوست رکھے اپنی خواہش سے اور دشمن رکھے اپنی خواہش سے حالانکہ تو مامور ہوا ہے کہ اپنی خواہش کی مخالفت کرے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ تو مت پیروی کر اپنی خواہش کی کہ تجھ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی"

اور غنیۃ الطالبین مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی کے صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں کہ :-

صاحبین کے افعال و اقوال کو مت دیکھو بلکہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اسی کو دیکھو اور اسی پر اعتماد کرو تاکہ تم یگانۂ آفاق ہو جاؤ "

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے وصیت نامہ مطبوعہ کانپور کے ص۲ میں جس کو اپنی اولاد و احباب کے لیے تصنیف کیا ہے فرماتے ہیں :۔

" اول وصیت این فقیر چنگ زدن ست بکتاب وسنت دراعتقاد و عمل و پیوستہ بتدبر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن و اگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقی از ہر دو شنیدن و در عقائد مذہب قدما اہل سنت اختیار کردن و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن ۔ امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست و سخن متقشفہ فقہا کہ تقلید عالمی را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن و بدیشاں التفات نکردن و قربت خدا جستن بدوری ایشاں ۔

اور حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی کے ص۱۵۳ میں فرماتے ہیں کہ :۔

" ابن عمرؓ نے جابر بن زیدؒ سے فرمایا کہ تو بصرہ کا فقیہ ہے بغیر قرآن وحدیث کے فتوے نہ دیجیو ورنہ خود ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کرے گا "

اور حجۃ اللہ البالغہ مذکور کے ص۱۶۲ ، ص۱۶۳ میں اور عقد الجید مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

کے ۹۶، ۹۷، ۹۵ میں امام شعرانی کی کتاب "الیواقیت والجواہر" سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے تھے کہ:۔

"جو شخص میری دلیل کو نہ جانے اس کو سزاوار نہیں کہ میرے قول پر فتوے دیوے۔"

اور حضرت امام مالکؒ فرماتے تھے کہ:۔

"ایسا کوئی نہیں ہے جس کے سارے اقوال مقبول ہوں یا سارے مردود بلکہ ہر ایک شخص کا بعض قول مقبول ہوتا ہے اور بعض مردود سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (کہ آپ کے سارے اقوال مقبول، واجب القبول ہیں) اور ظاہر ہے کہ کسی شخص کے بعض قول کا قبول کرنا اور بعض کا رد کرنا (یعنی ترک کرنا) اس کی دو ہی صورت ہو سکتی ہے ایک یہ کہ اس کے ایک قول کو قبول کریں اپنی خواہش سے اور دوسرے قول کو رد کریں اپنی خواہش سے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو پیش کریں کتاب وسنت پر جو موافق ہو قبول کریں اور جو مخالف ہو ترک کریں۔ اوّل صورت تو باطل ہے کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ آدمی مامور ہوا ہے کہ اپنی خواہش کی مخالفت کرے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ تو مت پیروی کر اپنی خواہش کی کہ تجھ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔ پس دوسری صورت متعین ہے کہ اس قول کو کتاب وسنت پر پیش کریں اگر مطابق ہو قبول کریں ورنہ ترک کریں۔"

اور حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب جزء القراءۃ کے صفحہ میں حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ کا بھی یہی قول نقل فرمایا ہے اور نیز امام بخاریؒ نے اپنی صحیح مطبوعہ مصر کے ۲۰۵ جلد اول میں حضرت علیؓ سے اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مطبوعہ نولکشور

کے ص۴۰ جلد اول میں اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ کے ص۱ جلد اول میں عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی اسی مضمون کا قول نقل فرمایا ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ:۔

"جب حدیث کی صحت ثابت ہو جاوے تو وہی میرا مذہب ہے۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ:۔

"جب میرے کلام کو حدیث کے مخالف دیکھو تو حدیث پر عمل کرو اور میرے کلام کو دیوار پر مارو۔"

اور ایک دن اپنے شاگرد مزنیؒ سے فرمایا کہ:۔

"اے ابراہیم! تو مت تقلید[1] کر میری ہر ایک بات میں جو میں کہتا ہوں۔ تو خود اپنے لیے اس میں نظر کر لے اس لیے کہ یہ دین ہے۔"

اور فرماتے تھے کہ:۔

"کسی کا قول حجت نہیں ہے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگرچہ اس کے کہنے والے بہت ہوں اور نہ کسی کا قیاس حجت ہے اور نہ کوئی شئے حجت ہے اور نہیں ہے یہاں مگر فرمانبرداری اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔"

اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ:۔

"اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کا کلام معتبر نہیں۔"

اور ایک شخص سے فرمایا کہ:۔

"تو نہ میری تقلید کر نہ مالک کی نہ اوزاعی کی نہ کسی اور کی لے احکام کو کتاب وسنت سے جہاں سے انہوں نے لیے ہیں۔"

---

[1] تقلید سے مراد بے دلیل مان لینا ہے۔

"اور یہ (یعنی کتاب و سنت سے احکام کا لینا) ایسا امر نہیں ہے، جس کا حصول اب ناممکن ہے بلکہ سابق کی نسبت اب آسان ہے اللہ کی قدرت بہت وسیع ہے اور اس کی رحمت کسی زمانہ اور کسی شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ کوشش کرنا شرط ہے اور اس کا فضل درکار۔"

دیکھو حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۶۱ وعقد الجید صفحہ ۴۵ والنافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر مطبوعہ مطبع مصطفائی صفحہ ۶ ومعیار الحق مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی صفحہ ۴۸، صفحہ ۴۹ و دراسات مطبوعہ بیت السلطنت لاہور صفحہ ۲۸، صفحہ ۲۹، صفحہ ۳۱ وضمیمہ اشاعۃ السنہ نمبر ۱ جلد اول صفحہ ۵۵ تا نمبر ۹ جلد ۳ صفحہ ۲۶۹ وغیرہ

اور علماء کا ہر ایک زمانے میں قرآن مجید و حدیث شریف کی تفسیریں شرحیں لکھنا اور واعظوں کا اپنے وعظوں میں ان کے معانی کو بیان کرنا اور باحثین و مناظرین کا اپنے مباحث و مناظرات میں آیات و احادیث کو سند میں پیش کرنا یہ سب شاہد عدل اور دلیل روشن ہیں اس پر جو ہم نے کہا ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام کا نکالنا اب بھی ناممکن نہیں ہے۔

اور نیز حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۱۶۳ میں امام شعرانی رح کی کتاب الیواقیت و الجواہر سے نقل فرماتے ہیں کہ:۔

"امام ابو یوسف رح اور امام زفر رح وغیرہما فرماتے تھے کہ کسی کو حلال نہیں ہے کہ ہمارے قول پر فتوے دیوے جب تک یہ جان نہ لے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔"

اور عصام بن یوسف رح سے کہا گیا کہ تم ابو حنیفہ رح کا بہت خلاف کرتے ہو تو کہا کہ:

"اس لیے کہ ابو حنیفہ کو جو فہم دیا گیا تھا وہ ہم کو نہیں دیا گیا تو انہوں نے اپنے فہم سے وہ بات دریافت کر لی جو ہم کو نہیں دریافت ہوئی

اور ہم کو جائز نہیں کہ ان کے قول پر فتوے دیویں جب تک کہ خود نہ سمجھ لیویں۔"

اور امام نوویؒ شرح صحیح مسلم کے ص۳۶۹ جلد اول میں فرماتے ہیں کہ:۔

"حدیث جب ثابت ہو جائے تو بعض لوگوں یا اکثر لوگوں یا تمام لوگوں کے ترک کر دینے سے متروک نہیں ہو سکتی۔"

اور اشاعۃ السنۃ کے ص۵، ص۱۵ جلد ۶ میں کتاب الیقاظ سے حافظ ابن القیمؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:۔

"متابعۃ خالصہ اس کا نام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر کسی کی بات یا رائے کو مقدم نہ کیا جائے۔ کوئی بات ہو اور کسی کی ہو۔ بلکہ پہلے صحت حدیث کو دیکھا جائے۔ پھر اگر صحیح ہو تو اس کے معنی کو خیال کیا جائے۔ جب وہ معلوم ہو چکے تو اس سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ مشرق سے مغرب تک کے لوگ اس کے مخالف ہوں۔ اور خدا کی پناہ ہے کہ تمام امت ترک حدیث پر اتفاق کر لے، یہ کبھی نہ ہو گا بلکہ کوئی نہ کوئی امت میں اس کا قائل ہو گا۔ اگرچہ تجھ پر اس کا حال چھپا رہا اور تیرا نہ جاننا اس کے قائل کو اللہ کے سامنے اس حدیث کے ترک کر دینے میں سند نہیں ہو سکتا۔ پس حدیث کی طرف جا اور ہمت نہ ہار اور جان لے کہ کوئی نہ کوئی اس کا قائل ہو گا اگر تجھے اس کا علم نہیں اور باوجود تیرے اس عمل بالحدیث و ترک اقوال علماء کے ان علماء کی محبت اور تعظیم مراتب اور ان کی امانت اور اجتہاد کا اعتقاد دور نہ ہو۔"

اور حافظ ابن القیم زاد المعاد مطبوعہ مطبع نظامی کے ص۲۲۵ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"حدیث کی پیروی سب پر مقدم ہے اور حدیث کی جہت سے

سب اقوال جو اس کے مخالف ہوں چھوڑ دیئے جائیں اور حدیث کسی کے قول سے کوئی ہو نہ چھوڑی جائے۔ اگر حدیث کسی مخالف کے خلاف کرنے سے (اس وجہ سے کہ اس کو وہ حدیث نہیں پہنچی یا اس نے اس کی کوئی تاویل کرلی ہے یا اور کوئی وجہ اس کے خلاف کرنے کی ہوئی ہے) چھوڑ دی جائے تو اس طرح سے بہت حدیثیں چھوٹ جائیں گی اور حجت کو چھوڑ کر غیر حجت کی طرف اور واجب الاتباع کے قول کو چھوڑ کر غیر واجب الاتباع کے قول کی طرف اور معصوم کا قول چھوڑ کر غیر معصوم کے قول کی طرف جانا پڑے گا اور یہ ایک بلائے سخت ہے۔ اللہ ہم کو اس سے عافیت دے۔"

اور اغاثۃ اللہفان مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی کے صفحہ ۳۳ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"سچا بصیرت والا وہ ہے کہ ساتھی کے کم ہوتے یا بالکل نہ ہونے سے نہ گھبراوے بشرطیکہ دل میں رفاقت اول قافلہ کی سمجھتا ہو جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین کو جو عمدہ رفیق ہیں اپنا ساتھی جانتا ہو کیونکہ راہِ طلب میں آدمی کا اکیلا ہونا دلیل سچے طلب کی ہے۔"

اور نیز صفحہ ۴۳ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"ابو شامہ عبدالرحمٰن بن اسمٰعیلؒ نے کتاب الباعث علیٰ انکار البدع والحوادث میں کیا خوب کہا ہے کہ جہاں جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم ہے اس سے یہ غرض ہے کہ حق بات کا ساتھی اور پیرو رہے گو اس پر چلنے والے تھوڑے ہوں اور مخالف بہت۔ اس لیے کہ حق وہ ہے جس پر پہلی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور صحابہؓ

کی تھی۔ اور ان کے بعد جو باطل والے بہت ہوں ان کا کچھ اعتبار نہیں"

عمرو بن میمون ازدیؒ فرماتے ہیں کہ میں یمن میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ ہوا اور جب تک کہ ان کو شام میں دفن نہ کر لیا تب تک ان سے علیحدہ نہ ہوا پھر ان کی وفات کے بعد سب لوگوں سے زیادہ تر فقیہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ ہوا۔ ان سے میں نے سنا کہ فرماتے تھے کہ جماعت میں رہنا لازم پکڑو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ پھر میں نے ایک روز ان کو یوں فرماتے سنا کہ عنقریب تم پر ایسے حاکم ہوں گے کہ نماز کو اس کے وقت سے ٹالیں گے پس تم وقت پر نماز پڑھ لینا کہ فرض ادا ہو جائے گا پھر ان کے ساتھ پڑھنا کہ وہ تمہارے لیے نفل ہو جائیں گے۔ میں نے عرض کی کہ اے اصحاب محمدؐ! میں نہیں جانتا کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ کیا تو کہتا ہے میں نے کہا کہ آپ مجھ کو جماعت کے لازم پکڑنے کے لیے حکم فرماتے ہیں اور اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ پھر یہ فرماتے ہیں کہ نماز تنہا پڑھنا وہ فرض ہو گی اور جماعت کے ساتھ پڑھنا وہ نفل ہو گی۔ انہوں نے فرمایا کہ اے عمرو بن میمون! میں تجھ کو اس گاؤں کے لوگوں میں بڑا سمجھدار گمان کرتا تھا۔ تجھے معلوم ہے کہ جماعت کیا ہے میں نے کہا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بہت لوگ ایسے ہیں جنہوں نے جماعت کو چھوڑ دیا ہے۔ جماعت وہ ہے جو حق کی موافق ہو گو اکیلا ہی ہو۔

نعیم بن حماد کہتے ہیں کہ اس سے غرض یہ ہے کہ جب جماعت بگڑ جائے تو تجھ کو وہی طریق اختیار کرنا چاہیے جس پر جماعت کے لوگ بگڑنے سے پیشتر تھے گو تو اکیلا ہی ہو کہ اس صورت میں تو ہی جماعت

ہوگا۔"

اور ص۸ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"محمد بن اسلم طوسیؒ جن کی امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ اپنے وقت میں سب سے زیادہ تابعِ سنت تھے۔ ان کے عہد میں کسی عالم سے سوال کیا گیا کہ سوادِ اعظم (یعنی بڑا گروہ) کیا ہے جس کے باب میں حدیث شریف میں یہ حکم ہے کہ جب لوگ اختلاف کریں تو تم بڑے گروہ کو لازم پکڑو۔ عالم نے فرمایا کہ محمد بن اسلم طوسی بڑا گروہ ہے۔"

اور امام شعرانیؒ اپنی کتاب میزان کے ص۶۳ میں فرماتے ہیں کہ

"حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ سوادِ اعظم سے وہ شخص مراد ہے جو اہلِ سنت وجماعت سے ہو، گو اکیلا ہی ہو۔"

ایسے کہاں تک اقوال اس باب میں نقل کریں۔ یہ دفتر بہت طویل ہے کتنی مجلدوں میں بھی تمام نہیں ہونے کا۔ طالبِ حق کے لیے اس قدر کافی ہے اور کچھ اقوال عقیدہ دہم کے جواب میں بھی مذکور ہیں۔

جب ہمارے مذہب کا اصل الاصول معلوم ہوا تو اب اگر کوئی شخص کسی فرقہ کا کوئی بات کسی کتاب میں لکھ دے۔ یا زبانی کہدے تو مجرد اس کے لکھ دینے یا کہہ دینے سے وہ بات ہمارے مذہب کی نہیں ہو سکتی جب تک کہ کتاب و سنت اس پر شہادت نہ دیں۔

اس صورت میں ہمارے مذہب پر کسی کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ہمارے مذہب پر وہی شخص اعتراض کر سکتا ہے جو ہمارے اصولِ مذہب سے ناواقف ہے یا جان بوجھ کر بے انصافی کرتا ہے۔ رہا بھول چوک کا ہونا سو یہ غالباً لوازمِ بشریت سے ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ:۔

المجتهد قد یخطئ و قد یصیب

یعنی مجتہد کبھی چوک جاتا ہے اور کبھی حق کو پا جاتا ہے۔

اس صورت میں اگر کسی سے کچھ غلطی یا بھول چوک ہو جائے تو ناصحین کو چاہیئے کہ اس کی غلطی پر اس کو آگاہ کر دیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر پائیں اور اس شخص کو بھی چاہیئے کہ اپنے ناصحین کی نصیحت کو بہ دل و جان قبول کرے اور رو ئیں رو ئیں سے ان کا شکر گزار ہو۔

اب یہاں سے **عقائد کے جوابات** شروع ہوتے ہیں

پہلا عقیدہ جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ یہ لوگ خدائے پاک کا جھوٹ بولنا ممکن کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ کتاب صیانۃ الایمان مطبوعہ مراد آباد مصنفہ مولوی شہود الحق شاگرد مولوی نذیر حسین کے ص۵ میں مندرج ہے۔

جواب

اس عقیدہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ان پر اتہام بیجا ہے۔ اہل حدیث کیا سارے اہل سنت بلکہ سارے اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ جھوٹ بولنے سے پاک ہے۔ نہ جھوٹ بولا ہے نہ بولتا ہے نہ بولے گا اور جو کوئی کہے کہ خدائے تعالیٰ نے جھوٹ بولا ہے یا بولتا ہے یا بولے گا ایسا شخص سب کے نزدیک کافر ہے اور خدا کی اس پر لعنت۔

ہاں یہ عقیدہ کہ خدائے پاک کا جھوٹ بولنا ممکن بالذات (یعنی عقلاً ممکن) ہے

یا نہیں (یعنی خدائے تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے یا نہیں) اس عقیدے میں درمیان مقلدین اہل سنت اور فرقہ معتزلہ کے باہم اختلاف ہے۔

فرقہ اشاعرہ (جو کہ شیخ ابوالحسن اشعری کے پیرو ہیں اور دیار خراسان اور عراق اور شام اور دیگر اماکن واقطار میں یہی لوگ اہل سنت وجماعت مشہور ہیں اور ان میں جمہور شافعیہ ومالکیہ وحنبلیہ شامل ہیں) اور بعض معتزلہ یہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ خدائے تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن بالذات ہے۔

اور فرقہ ماتریدیہ (جو کہ شیخ ابومنصور ماتریدی کے پیرو ہیں اور دیار ماوراءالنہر میں یہی لوگ اہل سنت وجماعت کہلاتے ہیں اور ان میں اکثر احناف اور بعض دیگر شامل ہیں) اور جمہور معتزلہ یہ سب لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خدائے پاک کا جھوٹ بولنا عقلاً ممکن نہیں ہے (دیکھو شرح[1] عقائد نسفی مطبوعہ مطبع گلزار خلیل ص۵ و ص۴۲ وحاشیہ رومی بر شرح عقائد نسفی مذکور ص۵ وحاشیہ خیالی مطبوعہ نولکشور ص۲۳، ص۱۴۲ وشرح مواقف مطبوعہ نولکشور ص۶۰۹، ص۵۴۴، ص۵۸۸، ص۵۸۹، ص۴۹، ص۱۰، ص۶۵۱، ص۴۴۷، ص۴۴۸ ومسلم الثبوت مع کشف المبہم مطبوعہ شعلہ طور کانپور ص۶۷، ص۲۲۵ وتفسیر بیضاوی مطبوعہ نولکشور ص۱۸ جلد اول وتفسیر ابوالسعود مطبوعہ استنبول ص۲۸۸ جلد اول وغنیۃ الطالبین مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی ص۲۳۳ وکفایہ

---

[1] واضح رہے کہ جہاں جہاں اس کتاب میں متعدد مضامین لکھنے کے بعد ان کا حوالہ متعدد کتابوں پر دیا گیا ہے اس سے مجموعہ مضامین کا حوالہ مجموع کتابوں پر مراد ہے نہ ہر ایک کا ہر ایک پر اور ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ ہر مضمون کے بعد متصلاً حوالہ ذکر کرنے میں پڑھنے کے وقت انتشار ہوتا ہے اور عبارت کی سلاست میں فرق آجاتا ہے تو اگر ناظرین ایک مضمون کو ایک کتاب میں نہ پائیں تو اس کو دوسری کتاب میں ڈھونڈیں کسی نہ کسی کتاب میں کتب مذکورہ سے ضرور پائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو صحیح بخاری کے ترجمۃ الباب واحادیث الباب پر قیاس کریں، یہ اسی کی نظیر ہے۔

حاشیہ شرح عقاید نسفی مذکور ص۲۷ و حاشیہ عبد الحکیم علی الخیالی مطبوعہ نولکشور ص۲۲ ص۲۲۵ و قمر کمال حاشیہ شرح عقائد نسفی مذکور ص۶۳ و تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ فخر المطابع ص۲۴۹ وغیرہ

لیکن یہاں یہ بھی واضح رہے کہ فرقہ ماتریدیہ کو جو فرقہ اشاعرہ سے اس عقیدے میں خلاف ہے۔ یہ صرف ظاہری خلاف اور محض نزاع لفظی ہے حقیقت میں دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ خدائے تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن بالذات ہے۔
چنانچہ شامی نے حاشیہ درمختار مطبوعہ دہلی کے ص۳۳، ص۳۴ جلد اول میں لکھا ہے:-

"وہ مسائل اعتقادیہ جن کا اعتقاد رکھنا ہر ایک مکلف پر بلا تقلید کسی کے واجب ہے وہ مسائل ہیں جن پر اہل سنت وجماعت ہیں اور وہ بھی اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں۔ اور یہ لوگ آپس میں متفق ہیں، کچھ ان میں اختلاف نہیں ہے مگر تھوڑے مسئلوں میں اور ان تھوڑے مسئلوں میں بھی صرف اختلاف لفظی ہے حقیقت میں اختلاف نہیں ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ اس مسئلے میں بھی باہم اشعریہ و ماتریدیہ کے صرف اختلاف لفظی ہے، حقیقت میں اختلاف نہیں ہے۔ دونوں کا اس پر اتفاق ہے"

اس سے ثابت ہے کہ اس عقیدے پر فرقہ مقلدین اہل سنت حنفی شافعی وغیرہ سب متفق ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی اشاعرہ ہے کوئی ماتریدیہ۔
اور جو ہم نے لکھا ہے کہ اس عقیدے کا انتساب اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف صیانۃ الایمان نے جو اس عقیدے کو ذکر کیا ہے تو نہ اس نظر سے ذکر کیا ہے کہ یہ اس کا عقیدہ ہے بلکہ صرف الزام خصم کی غرض سے اس کو ذکر کیا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ فرقہ مقلدین احناف میں سے ایک مولوی صاحب مراد آبادی نے اپنے رسالہ حفظ الایمان مطبوعہ ریاض دستور ہند مراد کے ص۲ میں مولوی محمد اسماعیل دہلویؒ کی طرف خدا کو جھوٹا کہنے کی نسبت کی تھی۔ اس پر مصنف صیانتہ الایمان مطبوعہ الیسوسی ایشن پریس مراد آباد نے ص۵ میں اس کا انکار کیا اور کہا کہ مولوی محمد اسماعیل کی طرف خدا کو جھوٹا کہنے کی نسبت بالکل غلط ہے۔ انہوں نے کہیں خدا کو جھوٹا نہیں کہا ہے یہ ان پر افترا ہے۔

مولوی محمد اسماعیلؒ نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی کے ص۳۱ میں (جہاں خدائے تعالیٰ کی عظمت قدرت وارادت کا بیان کیا ہے) یہ لکھا تھا کہ:

"اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کُن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبریل و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے اور ایک دم میں سارا عالم عرش سے فرش تک الٹ پلٹ کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کرے کہ اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے کسی کام کے واسطے کچھ اسباب و سامان جمع کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے۔"

اس عبارت میں جو یہ فقرہ ہے کہ اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کُن سے کروڑوں نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے۔ اس سے مولوی صاحب مراد آبادی نے یہ استنباط کیا تھا کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب خدائے پاک کا جھوٹ بولنا ممکن کہتے ہیں۔

اس کے جواب میں مصنف صیانتہ الایمان نے ص۵ میں برسبیل تنزل یہ لکھا کہ امکان کذب کے قائل ہونے سے خدا کو جھوٹا اور کاذب کہنا لازم نہیں آتا اور اس کو بدلائل ثابت کیا۔ پھر مولوی صاحب مراد آبادی نے ص۲ میں یہ لکھا تھا کہ:

او
سے
اس
خص
اس
رسہ
پیدا
سند
وغیرہ

"مولوی اسماعیل دہلوی نے تیرہویں صدی میں یہ عقیدہ نکالا ہے۔"

اور صلا میں یہ لکھا تھا کہ :-

"یہ کہنا کہ ممکن ہے خدائے تعالیٰ جھوٹ بول دے، سراسر غلط ہے یہ عقیدہ سُنیوں کا نہیں ہے بلکہ ایک فرقہ ہے معتزلہ ان بہتر فرقوں میں سے جن کو حضرت نے دوزخی فرمایا ہے۔ یہ عقیدہ ان کا ہے۔"

پھر صٹ میں یہ لکھا تھا کہ :-

"یہ کہنا کہ اگر خدائے تعالیٰ چاہے تو کروڑوں مثل آنحضرت کے پیدا کر ڈالے، باطل اور غلط ہے اس لیے کہ جب خدائے تعالیٰ نے فرما دیا کہ نبوت ختم ہو گئی تو مثل آنحضرت کا پیدا ہونا محال ہو گیا۔ اب ایسے پیغمبر کی نسبت یہ بات کہنی کہ خدائے تعالیٰ چاہے تو پیدا کر دے۔ یہ کہنا ہوا کہ خدا تعالیٰ چاہے تو جھوٹ بول دے۔"

اس کا جواب صیانۃ الایمان میں بہت تفصیل سے قریب ڈیڑھ جز میں دیا ہے اور بہت اہل سنت کا یہ عقیدہ ہونا فرقہ مقلدین کی بہت سی کتابوں سے ثابت کیا ہے۔ (جن میں سے کئی کتابوں کا ہم نے بھی مقابلہ کر لیا ہے اور حوالہ ٹھیک پایا ہے اس سے خوب ثابت ہوا کہ مصنف صیانۃ الایمان نے اس عقیدے کو محض الزام خصم کی نظر سے ذکر کیا ہے نہ اس غرض سے کہ یہ اس کا عقیدہ ہے۔ اور اگر بالفرض اس نے اس عقیدے کو اسی غرض سے ذکر کیا ہے کہ اس کا یہ عقیدہ ہے تو بھی رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار کو اس پر اعتراض کرنا بے جا ہے کیونکہ اس پر اعتراض کرنا عین ان سب فرقہ مقلدین پر اعتراض کرنا اور ان کو عدا داہل سنت سے خارج کرنا ہے، جن کا یہ عقیدہ ہے۔ جن میں سارے احناف و شوافع وغیرہم داخل ہیں۔

اور پھر ایک مصنف صیانۃ الایمان کے ایسا عقیدہ ہونے سے اس کا انتساب تمام اہل حدیث کی طرف کب درست ہے۔ نہ اہل حدیث کی کتابوں میں کہیں اس بات کی تصریح ہے نہ خود مصنف صیانۃ الایمان نے کہیں یہ لکھا ہے کہ یہی عقیدہ اہل حدیث کا ہے نہ خود وہ کوئی ایسا شخص ہے جس کا مجرد قول وفعل اہل حدیث کے نزدیک حجّت ہے۔ جب اہل حدیث بدون دستاویز کتاب و سنت کے کسی کے قول وفعل کو حجت نہیں سمجھتے تو مصنف صیانۃ الایمان کس گنتی میں شمار ہیں کہ مجرد ان کے قول وفعل کو حجت سمجھ لیں گے تو انتساب اس کا اہل حدیث کی طرف کمال سینہ زوری ہے۔

اور اگر فرضاً تمام اہل حدیث کا بھی یہی عقیدہ ہو تو بھی اس پر اعتراض کرنا بیجا ہے۔ یہ اعتراض تو تب جائز ہوتا کہ فرقہ مقلدین کا یہ عقیدہ نہ ہوتا ورنہ اپنی کلہاڑی آپ اپنے پاؤں پر مارنی ہے اور پرائی بدشگونی کے واسطے آپ اپنی ناک کٹانی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر عطا فرمائے اور ہر قسم کے بُرے کاموں سے بچائے۔

اب اس جگہ پر ایک بات کا لکھ دینا بہت ضروری اور نہایت کارآمد ہے وہ یہ کہ اہل سنت اور غیر اہل سنت میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ اکثر لوگ اس فرق سے غافل ہیں اسی وجہ سے ان الفاظ کو بے محل استعمال کر دیا کرتے ہیں جس سے آپس میں بغض ونفاق واشتعال طبع پیدا ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کی تذلیل کا خواہاں ہو جاتا ہے اور عجب نہیں کہ رسالہ دار اور اس کے اعوان وانصار کو بھی اس رسالہ میں ان الفاظ کے بے محل استعمال میں لانے کی یہی وجہ ہوئی ہو۔

تو معلوم ہو کہ مسائل اعتقادیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ضروریات دین اسلام سے ہیں جن پر تمام اہل قبلہ کا اتفاق ہے جیسے اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت اور قیامت کا آنا وغیرہ اور یہ قسم مدار اسلام ہے تو جو شخص ان عقائد پر ہو وہ اہل اسلام سے ہے اور جو نہ ہو وہ خارج اسلام سے ہے۔

دوسری قسم وہ مسائل ہیں جن میں اہلِ قبلہ نے العد اتفاق کے ضروریات دین پر ' اختلاف کیا ہے جس سے وہ مختلف فرقے اور متفرق جماعتیں بن گئی ہیں اور ان مسائل کی بھی دو قسمیں ہیں :۔

قسم اوّل : وہ جو صریح کتاب و سنتِ صحیحہ مستفیضہ سے ثابت ہیں (اور ان کو اصولِ عقائد کہتے ہیں) اور انہیں عقائد پر سلف صالحین ، صحابہؓ اور سارے تابعینؒ گزرے ہیں ۔ پھر جب ایسا زمانہ آیا کہ ہر ایک اپنی اپنی رائے پر خوش ہونے لگا اور عقائد میں اختلاف کرنے لگا تو ایک قوم نے انہیں عقائدِ مذکورۂ سلف کو اختیار کیا اور ان کو خوب مضبوط پکڑا اور اس میں اصولِ عقلیہ و خیالیہ کی موافقت یا مخالفت کا کچھ خیال و لحاظ نہ کیا اور اگر کبھی اس طرح[1] کی باتیں بولے تو صرف الزامِ خصوم اور ان پر رد کرنے کے لیے یا زیادتِ طمانیت حاصل کرنے کے لیے نہ ان سے عقائد حاصل کرنے کے لیے اور یہی لوگ اہلِ سنت ہیں ۔

اور ایک قوم نے عقائد مذکورہ سلف کو اصولِ عقلیہ خیالیہ پر منطبق کیا جہاں ان کو اپنے خیال میں منطبق پایا ، تسلیم کیا اور جہاں مخالف پایا تاویل کی اور پھیر پھار کر ان کو اصولِ عقلیہ خیالیہ کے مطابق بنا لیا اور یہی لوگ اہلِ بدعت ہیں ۔

قسمِ اوّل کے مسائل کی نظیریں یہ ہیں ۔ منکر نکیر کا قبروں میں سوال کرنا ، قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا تولا جانا ۔ صراط پر عبور کرنا ۔ خدا کا دیدار ہونا ۔ اولیاء اللہ کی کرامتیں وغیرہ ـــــ تو یہ سب عقائد صریح کتاب و سنتِ صحیحہ سے ثابت ہیں ، اور تمام سلف صالحین انہیں عقائد پر گزرے ہیں ۔ لیکن ایک قوم کے خیال میں یہ باتیں محال اور بعید معلوم ہوئیں تو انہوں نے ان سے انکار کر دیا اور تاویلیں کیں ۔

قسمِ دوم میں وہ مسائل ہیں جو صریح کتاب و سنتِ صحیحہ مستفیضہ سے ثابت

---

[1] یعنی اصولِ عقلیہ خیالیہ کی باتیں ۔

نہیں اور نہ صحابہ نے ان میں کچھ کلام کیا۔ بعد کے علمائے نے آکر ان میں کلام اور خوض کیا اور ان کی رائے میں اختلاف واقع ہوا۔

اس قسم کے مسائل کئی طور پر ہیں۔ ایک وہ مسائل جن کو علمائے متاخرین نے کتاب و سنت سے استنباط کیا اور اور ان کی رائیں اس میں مختلف ہوگئیں جیسے یہ مسئلہ کہ "انبیا افضل ہیں ملائکہ سے یا ملائکہ افضل ہیں انبیا سے"۔ کسی نے وہ کہا، کسی نے یہ۔ اسی طرح یہ مسئلہ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ افضل ہیں حضرت فاطمہ زہراؓ سے یا بالعکس؟

دوم وہ مسائل عقلیہ جن کو انہوں نے خیال کیا کہ ان پر مسائل قسم اول (یعنی اصول عقائد) کا ثبوت موقوف ہے جیسے مسائل امور عامہ اور بعض مباحث جواہر و اعراض کہ انہوں نے خیال کیا کہ مسئلہ حدوث عالم (جو مسائل قسم اول سے ہے) ابطالِ ہیولیٰ و اثبات جزء لایتجزیٰ پر موقوف ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

سوم وہ مسائل جو مسائلِ قسم اول کی تفسیر اور تفصیل ہیں جن کو انہوں نے اپنی آراء سے استنباط کیا اور اس میں اختلاف کیا جیسے مسئلہ سمع و بصر جو اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں کہ یہ مسئلہ قسم اول سے ہے اور سب کا اس پر اتفاق ہے لیکن متاخرین نے اس کی تفصیل اور تفسیر کی اور اس میں اختلاف کیا۔ کسی نے کہا کہ یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم میں داخل ہیں علیحدہ کوئی صفت نہیں ہیں اور کسی نے ان کو جدا گانہ صفت سمجھا وعلیٰ ہذا القیاس۔

جب یہ بات معلوم ہوئی تو اب واضح ہو کہ آدمی کا اہل سنت یا اہل بدعت ہونا صرف مسائل قسم اول (یعنی اصول عقائد) کے تسلیم یا انکار سے ہوتا ہے تو جس نے ان کو تسلیم کیا وہ اہل سنت سے ہے اور جس نے انکار کیا وہ اہل بدعت سے ہے۔

اور مسائل قسم دوم میں گو بڑی سنت تو یہی ہے کہ ان میں بالکل خوض نہ کیا جاوے جیسا کہ سلف نے ان میں خوض نہیں کیا ہے لیکن سُنّی یا بدعتی ہونا ان [illegible]

پر عار نہیں ہے تسلیم کرے خواہ انکار۔ دونوں صورتوں میں آدمی سُنّی رہتا ہے بدعتی نہیں ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ نے باوجود یکہ اس قسم کے بہت مسائل میں خوض اور اختلاف کیا لیکن کوئی بدعتی نہ ہوا۔ (دیکھو حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی صہ ۸، صہ ۹ وغیرہ)

ہماری دانست میں خدائے پاک کے امکانِ کذب کا مسئلہ بھی مسائل قسم دوم سے ہے جن پر سُنّی اور بدعتی ہونے کا مدار نہیں ہے۔ گو خالص سنت تو یہی ہے کہ اس میں بھی بالکل خوض نہ کیا جاوے جیسا کہ سلف نے خوض نہیں کیا اور یہی مسلک اہل حدیث کا ہے اَللّٰھُمَّ احْشُرْنَا فِیْ زُمْرَتِہِمْ

دوسرا عقیدہ

جو اس رسالہ میں اہلحدیث کی طرف نسبت کیا گیا ہے یہ ہے کہ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام سے احکامِ دینی میں بھول چوک کے مقر ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کتاب ردالتقلید بالکتاب المجید مصنفہ مولوی حسین خاں مطبوعہ مطبع فاروقی کے صہ ۱۲ میں مندرج ہے اور اس کتاب کی صحت پر مولوی نذیر حسین صاحب و مولوی شریف حسین صاحب وغیرہما اکابر اہلحدیث کی مواہیر ثبت ہیں۔

جواب

اس عقیدہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے، ان پر اتّہام باندھا ہے اور کتاب ردالتقلید کے صہ ۱۲ میں یہ کہیں نہیں ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے احکامِ دینی میں بھول چوک ہوتی ہے اس میں تو احکام دینی کا لفظ ہی نہیں ہے۔ رسالہ دار نے اپنی طرف سے اس لفظ کو بڑھا کر اہل حدیث پر اتّہام

کیا ہے۔ اس کے صفحہ مذکور کی تو اصل عبارت یہ ہے لان الانبیاء ماکانوا معصومین من الزلۃ و السھو اور اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "تمام پیغمبر ٹھوکا و اور بھول چوک سے نہیں بچے تھے" اور مصنف کتاب کی یہ اپنی عبارت نہیں ہے اس نے مولانا ابو شکور سالمیؒ کی کتاب التمہید فی علم العقائد والتوحید سے نقل کی ہے اور اس پر بھی اعتراض کرنا بے جا ہے کیونکہ یہی عقیدہ اکثر اہل سنت کا ہے خود حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اپنی کتاب فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:-

"و قد کانت منھم زلات و خطیئات

یعنی بے شبہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لغزشیں اور خطائیں ہوئی ہیں"
(دیکھو شرح فقہ اکبر مطبوعہ مطبع حنفی صـ۶۹)

اور مولانا شیخ عبدالحق دہلوی حنفیؒ شرح فتوح الغیب کے صـ۳۱۴ میں فرماتے ہیں

"انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اجتہاد کرتے ہیں اور ان سے کبھی خطا ہو جاتی ہے"

(اور دیکھو شرح فقہ اکبر مطبوعہ مطبع حنفی صـ۱۸۲، صـ۱۸۳ و شرح مسلم الثبوت مصنفہ بحر العلوم مولانا عبدالعلی لکھنویؒ مطبوعہ نولکشور صـ۳۴۹ و حسامی مطبوعہ نولکشور صـ۱۸ و توضیح و تلویح مطبوعہ نولکشور صـ۳۱۷ و نور الانوار صـ۱۸۲، صـ۱۸۳، صـ۲۱۲ و تفسیر کبیر مطبوعہ استنبول صـ۵۶۹، صـ۵۸، صـ۶۵۲ جلد ۳ و تفسیر بیضاوی مطبوعہ نولکشور صـ۳۲۴ جلد اول تفسیر احمدی صـ۲۷۷)

ہاں یہ عقیدہ جو رسالہ دار نے اہلحدیث کی طرف منسوب کیا ہے (جس سے بری ہیں) بعض اہل سنت مثل قاضی ابوبکر باقلانی کا ہے کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے تبلیغ احکام میں بھی بھول چوک کے جواز کے قائل ہیں [illegible] نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے احکام تبلیغیہ میں [illegible]

ہے (دیکھو حاشیہ عبدالحکیم علی الخیالی ص۱۵۲ و شرح مسلم الثبوت مولانا بحر العلوم ص۳۹۸ و شرح مواقف ص۴۹۸ و شرح فقہ اکبر ص۱۶)

تیسرا عقیدہ

جو اس رسالے میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت کے خاتم النبیین ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ نصر المومنین مصنفہ اخوند صدیق پشاوری شاگرد رشید مولوی نذیر حسین صاحب کے ص۹، ص۱۲ میں الف و لام خاتم النبیین کو عہد خارجی لکھا ہے کہ جس کے یہ معنی ہیں کہ بعض کے خاتم ہیں نہ سب کے۔ حالانکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم النبیین سب کے ہیں

جواب

اس عقیدہ کی نسبت بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ان پر اتہام بیجا ہے۔ اہلِ حدیث کیا کسی اہل سنت بلکہ کسی مسلمان کا بھی معاذ اللہ یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہیں ہیں۔ آپؐ کے خاتم النبیین ہونے پر سب کا اتفاق ہے کسی کو بھی انکار نہیں ہے اور کیونکر کوئی مسلمان اس سے منکر ہو جب کہ خود اللہ پاک اپنے کلام مقدس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرماتا ہے۔ اور مصنف نصر المومنین کو بھی اس سے انکار نہیں ہے وہ بھی اس کا مقر ہے چنانچہ ص۹ میں لکھتا ہے کہ:۔

"مراد النبیین سے وہ ہیں جو حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوئے ہیں۔"

اور ص۱۲ میں لکھتا ہے کہ:۔

"اور نبیوں کی بعثت سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عام نہ تھی، چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔"

اور مٹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں سے افضل لکھتا ہے۔

اور جو اس نے خاتم النبیین کے الف ولام کو عہد خارجی لکھا ہے اس سے اس کا منکر ہونا ہرگز لازم نہیں آتا کیونکہ یہ بات اس نے بطور جزم و اعتقاد کے نہیں لکھی ہے بلکہ صرف بطور احتمال اور بحث کے لکھی ہے جس پر ص۹ میں عبارت بعض کتب اصول حنفیہ کو شہادت میں پیش کیا ہے جن سب کی تفصیل کے نقل کرنے میں بہت طوالت ہے۔ اصل رسالہ کے ملاحظہ سے انکشاف حال بخوبی ہو سکتا ہے۔

ہاں اس نے اس حدیث کو جو ابن عباسؓ سے مروی ہے جس میں یوں وارد ہوا ہے کہ اللہ نے سات زمینیں بنائی ہیں ہر ایک زمین میں ایک آدم ہے تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہے تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم کی طرح اور عیسٰے ہے تمہارے عیسٰے کی طرح اور ایک نبی ہے تمہارے نبی کی طرح۔ بموافقت بہت علمائے متقدمین و متاخرین کے صحیح مان کر اور زمین کے سات طبقے تسلیم کر کے آیت اور حدیث میں تطبیق دینے کے لیے (بطور ایک احتمال کے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم جمیع انبیاء اس طبقہ علیا کا لکھ دیا ہے اور اپنے خیال پر اصول حنفیہ سے اس کو قوت دی ہے اور علمائے احناف رام پور سے (جو حدیث کی صحت سے سخت انکاری تھے اور جن پر وہ رد کر رہا تھا) معنیً اس میں موافق ہو گیا ہے فرق دونوں میں اسی قدر رہ گیا کہ وہ اس بات کو بطور جزم کے کہتے تھے اور اس نے بطور ایک احتمال کے لکھا ہے۔ فافہم۔

اور ہمارے نزدیک ان دونوں رایوں سے ان علماء کی رائے نہایت عمدہ

اور بہت پسندیدہ ہے جو فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور صحیح حدیث ہے اور حضرت کی خاتمیت بہ نسبت کل انبیاء کل طبقات کے حقیقی ہے اور خواتم طبقات باقیہ کی خاتمیت اضافی ہے یعنی وہ صرف اپنے اپنے طبقے کے انبیاء کے خواتم ہیں نہ کل انبیاء کل طبقات کے۔ اگر خوفِ اطالت نہ ہوتا تو ہم اس کی دلیل مفصل تحریر کرتے۔

اور جس طرح مصنف نصر المومنین کا اس الف ولام کو عہد خارجی کا لکھنا گو احتمالاً ہی سہی جزماً و اعتقاداً نہ سہی) ہمارے نزدیک ایک نامرضی بات ہے۔ اسی طرح رسالہ دار کا اس کو مصنف مذکور کا عقیدہ قرار دینا اور پھر اس عقیدہ کی نسبت تمام اہلحدیث کی طرف کر دینا ایک صریح غلطی ہے۔

اور استادی شاگردی کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جس کی وجہ سے استاد کی ساری باتیں شاگرد کی یا شاگرد کی ساری باتیں استاد کی سمجھی جاویں حتیٰ کہ استاد کا دین و ایمان و مذہب و ملت بعینہٖ شاگرد کا یا شاگرد کا بعینہٖ استاد کا تصور کیا جاوے۔ ایسی بات تو وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو مدارس و اسکول کی ذرا سی بھی ہوا نہ لگی ہوگی۔ کیا مدارس اور اسکولوں میں یہی قاعدہ جاری ہے کہ استاد جب مسلمان ہوتا ہے تو اس کے سارے شاگرد بھی مسلمان ہوتے ہیں۔ یا جب ہندو یا اور کسی مذہب کا ہوتا ہے تو سب شاگرد بھی ویسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح بالعکس۔ ایسا قاعدہ تو نہ سابق سے ہوا آیا ہے اور نہ اب ہے۔ استاد اور شاگرد کے رائے کا توافق اور اتحاد کیا ضرور ہے خود حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کو دیکھئے کہ کس قدر اپنے استاد سے مخالف ہیں اسی طرح اور ائمہ کے شاگردوں کا حال ہے۔

دور کیوں جایئے مجھی کو دیکھ لیجئے کہ میں نے جناب مولوی رحمت اللہ صاحب لکھنوی مہتمم مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور سے برسوں پڑھا اور بچپن سے آج تک برابر

جناب ممدوح کے سایہ عطوفت میں رہا اور آج تک نظر عنایت جناب ممدوح کی مجھ ناچیز کے حال پر بدستور مبذول ہے۔ باایں ہمہ میرے اور ان کے مذہب کا پورا پورا اتفاق نہیں ہے۔ وہ مقلد ہیں اور میں مقلد نہیں۔

چوتھا عقیدہ

جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صدور معجزات کے قائل نہیں ہیں یعنی سوا ایک دو معجزے کے باقی معجزات کے صدور سے انکار کرتے ہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کتاب "دلیل محکم" مصنفہ مولوی نذیر حسین مطبوعہ دہلی میں موجود ہے کہ حدیث آحاد سوائے حدیث متواتر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ثابت نہیں ہوتا جس کا یہ مطلب ہوا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوا ایک دو معجزے کے صادر نہیں ہوا کیونکہ سوائے قرآن کے اور معجزات حدیث متواتر سے ثابت نہیں۔

جواب

اس عقیدہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ان پر اتہام بے جا ہے اور "دلیل محکم" ہمارے پاس نہیں ہے اور نہ ہم نے اس کو دیکھا ہے اور بہت تلاش کی لیکن کہیں سے دستیاب نہیں ہوئی۔ مجیب صاحب کو چاہیئے کہ اصل کتاب سے مقابلہ کرا دیں۔

اور اتنی بات تو رسالہ دار کی خود تحریر سے معلوم ہوتی ہے کہ اس کتاب میں یہ عقیدہ مذکور نہیں ہے اس میں صرف اسی قدر مذکور ہے کہ "حدیث آحاد سے معجزہ ثابت نہیں ہوتا"۔ باقی خود بدولت کا استنباط ہے اور کیا خوب استنباط ہے

کہ دعوے اور دلیل میں کچھ ارتباط نہیں ہے۔ دعوے کچھ ہے اور دلیل کچھ۔ اس کا نمبر سہ
چہ خوش گفت سعدی در زلیخا الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا
سے کم نہیں ہے۔

ہم کو بعض ثقات سے دریافت ہوا ہے جنہوں نے "دلیل محکم" کو دیکھا ہے کہ اس میں اس جگہ پر یوں ہے کہ:۔

"اعتقاد بر معجزہ نبی علیہ السلام از جملہ عقائد ایمانیہ ست و خبر عدل واحد مفید عقیدہ نمے شود بلکہ موجب عمل در اعمال مے گردد چہ جائیکہ خبر بلا سند آحاد امت افادۂ عقیدہ دہد پس نقل دو سہ مردم بلا دلیل در باب صدور این معجزہ کہ اعتقاد بران واجب ست ہر امت را ہرگز مقبول نخواہد شد در باب اعتقادیات چنانکہ در اصول فقہ مصرح ست اعلم ان المقصود فی العقائد الاعتقاد فلا یفیدہ خبر العدل الواحد فلا یقبل فیہا لان الاعتقاد لا یحصل مع الظن بخلاف الاعمال فان العمل یجامع مع مظنۃ الظن کذا فی شرح التحریر لمولانا عبد العلی رحمہ اللہ تعالیٰ

اور اس مطلب اتنا ہی ہوا کہ حدیث آحاد مفید و مثبت کسی عقیدہ کی نہیں ہوتی یعنی اس سے کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ عقائد میں اعتقاد مقصود ہوتا ہے اور حدیث آحاد ظنی ہوتی ہے اور ظنی سے اعتقاد ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس مضمون پر شرح تحریر مولانا بحر العلوم حنفیؒ کی شہادت پیش کی ہے۔

اچھا ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ بات صحیح ہے اور فی الواقع اس کتاب میں یوں

ہی ہے جیسا کہ ہم کو بعض ثقات سے دریافت ہوا ہے تو اس صورت میں رسالہ دار کا یہ لکھنا کہ اہل حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صدورِ معجزات کے قائل نہیں ہیں محض ان پر اتہام بے جا ہے۔ کیونکہ جس قدر کتاب مذکور میں ہے اس پر سارے احناف کا اتفاق ہے اور ان کی کتب معتبرہ مذہبی میں موجود بلکہ اور فرقِ مقلدین کو بھی اس میں خلاف نہیں ہے۔ (دیکھو نورالانوار ص۱۴۹ و توضیح و تلویح مطبوعہ نولکشور ص۳۰۴ و شرح فقہ اکبر مطبوعہ مطبع حنفی ص۱۲۱ و شرح عقائد نسفی مطبوعہ مطبع گلزار خلیل ص۹۵ و تفسیر جلالین مع حاشیہ سلیمانیہ مسماۃ بفتوحات الٰہیہ، مطبوعہ اکمل المطابع دہلی ص۲۷ جلد ۴ و تفسیر کبیر مطبوعہ استنبول ص۵۵، مع تفسیر ابوالسعود ص۵۲، جلد ۷ و تفسیر بیضاوی مطبوعہ نولکشور ص۲۳۱ جلد ۲) پھر اگر اس سے صدورِ معجزات کا منکر ہونا لازم آتا ہے تو سارے احناف و دیگر فرقِ مقلدین اس کے منکر ٹھہریں گے۔ ولیس الامر کذالک

اور جو لکھا ہے کہ:۔

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے ایک دو معجزے کے صادر نہیں ہوا"

کس طرح اس کا یہ مطلب ہوا۔ اور اگر بالفرض اس کا یہی مطلب ہوا تو اس سے اہلحدیث پر کیا اعتراض ہے یہ تو ان سب پر اعتراض ہے جن کا یہ عقیدہ ہے اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تمام احناف کا یہی عقیدہ ہے اور دوسرے فرقِ مقلدین کو بھی اس میں خلاف نہیں ہے۔ تو یہ اعتراض اگر وارد ہے تو فرقِ مقلدین ہی پر وارد ہے نہ اہلِ حدیث پر کیونکہ اہلحدیث کا یہ عقیدہ ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ محققین اہل حدیث کے نزدیک بعض اقسام حدیث آحاد بھی جو محتف بالقرائن ہوں موجب علم قطعی ہوتی ہیں تو وہ مفید عقیدہ بھی ہوں گی اور باب صدورِ معجزات میں مقبول بھی ہوں گی۔

دیکھو شرح نخبۃ الفکر مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی صلا ، صلا ، صلا) اس صورت میں عبارت مذکورہ دلیل محکم و خبر واحد عدل مفید عقیدہ نمے شود میں لفظ خبر واحد عدل سے خبر واحد عدل غیر محتف بالقرائن مراد ہوگی نہ مطلق خبر واحد عدل جیسا کہ ظاہر و متبادر ہے۔

اور جو لکھا ہے کہ سوائے قرآن کے اور معجزات حدیث متواتر سے ثابت نہیں بالکل غلط ہے کیونکہ یہ تو جب صحیح ہو کہ حدیث متواتر کا وجود ہی نہ ہو۔ حالانکہ حدیث متواتر کثیر الوجود ہے (دیکھو شرح نخبۃ الفکر صٹ) اگر خوف اطالت نہ ہوتا تو ہم کچھ تحریر کرتے۔

اور اگر بالفرض حدیث متواتر عدیم الوجود ہی ہوتی اور حدیث آحاد محتف بالقرائن بھی موجب علم قطعی نہ ہوتی تو بھی اہلحدیث کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صدور معجزات کا قائل نہ ہونا ہرگز لازم نہ آتا کیونکہ قرآن مجید ایک ایسا معجزہ[1] عظیمہ ہر وقت روئے زمین پر موجود ہے جس کے برابر کوئی معجزہ نہیں جس کے ہر ایک سورت سے بے شمار معجزے ثابت ہوتے ہیں چنانچہ ماہرین علوم قرآن پر مخفی نہیں۔ رزقنا اللہ زیادۃ المھارۃ فیھا آمین ثم آمین۔ پھر کس طرح اہلحدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صدور معجزات کے قائل نہ ہوتے۔

[1] صحیح مسلم مطبوعہ نولکشور کے صٹ جلد اول میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما من الانبیاء من نبی الا وقد اعطی من الآیات ما مثلہ آمن علیہ البشر وانما کان الذی اوتیت وحیا اوحی اللہ الی فارجو ان اکون اکثرھم تابعا یوم القیمۃ

پانچواں عقیدہ

جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک اجماع کل امت جس کی سند معلوم نہ ہو حجت شرعی نہیں ہے۔ اس کے ثبوت میں کہا ہے کہ کتاب معیار الحق مصنفہ مولوی نذیر حسین مطبوعہ لاہور کے ص۱۳۱ اور کتاب اعتصام السنہ کے ص۲۴ میں موجود ہے۔

جواب

اس عقیدہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے ان پر اتہام بیجا ہے اور معیار الحق میں ہم نے بہت تلاش کیا کہیں ہم کو یہ عبارت نہیں ملی مجیب صاحب کو چاہیے کہ اصل سے مقابلہ کرائیں۔ معیار الحق مطبوعہ دہلی کے ص۱۰۳ میں یہ عبارت مرقوم ہے:-

"اجماع کے واسطے کوئی سند چاہیے قرآن سے یا حدیث سے یا قیاس سے۔"

اور ص۱۲۶ میں یہ عبارت واقع ہے:-

"اجماع شرعی کے واسطے دو امر ضروری ہیں ایک اتفاق سارے مجتہدینِ عصر کا اس امت سے اوپر امر شرعی کے متحقق ہو اور دوسرا امر یہ کہ سند اس کی (بمعنی سبب ثبوت اجماع) قرآن و حدیث سے (اجماع کرنے والوں کے نزدیک اجماع کرنے سے پہلے) پائی جاوے کیونکہ نہ پایا جانا سند (مذکور) کا مستلزم خطا کو ہوگا اور حکم کرنا دین میں بلا دلیل

خطا ہے پس اگر یہ دو امر ثابت نہ ہوں تو اجماع شرعی متصور نہ ہوگا۔"

اس کے بعد کتب معتبرہ احناف کی عبارتیں اس کی شہادت میں پیش کی ہیں۔ غالباً رسالہ نے انہیں عبارتوں میں سے کسی میں تبدیل فاحش کر کے جس سے مطلب بالکل الٹ پلٹ[1] ہو گیا حوالہ دے کر اتہام لے جا کیا ہے۔ حالانکہ اصل عبارتِ معیار کسی طرح بھی قابل اعتراض نہ تھی۔ نہایت پکی بات اس میں مذکور تھی و نیز یہی عقیدہ تمام احناف کا ہے اور ان کی کتب معتبرہ مذہبی میں موجود، بلکہ یہی عقیدہ جمہور کا ہے۔ دیکھو توضیح و تلویح مطبوعہ نولکشور ص ۳۶ و شرح مسلم الثبوت مطبوعہ نولکشور ص ۱۵ و نور الانوار مع حاشیہ قمر الاقمار ص ۱۹ و حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی ص ۱۲۶

اور اگر رسالہ دار نے سند سے وہ سند مراد نہیں لی ہے جو بمعنی سبب ثبوت اجماع ہے بلکہ بمعنی ناقل یعنی راوی مراد لی ہے (تو گو عبارتِ معیار میں یہ معنی قطعاً

---

[1] بالکل مطلب الٹ پلٹ ہو جانے کی یہ وجہ ہے کہ عبارتِ معیار کا تو مطلب یہ ہے کہ اجماع کل امت کا تحقق سند کے پائے جانے پر موقوف ہے کہ اولاً سند اجماع کرنے والوں کے نزدیک پائی جائے تب اجماع متحقق ہو کیونکہ سند مذکور تحقق اجماع کا سبب ہے اور ظاہر ہے کہ شے بغیر اپنے سبب کے پائی نہیں جا سکتی تو اجماع مذکور بھی بدوں سند مذکور متحقق نہیں ہو سکتا و نیز اگر اجماع کل امت بدوں پائے جانے سند مذکور کے متحقق ہو تو کل امت کا بے دلیل فتوے دینا خطا یعنی حرام اور ضلالت ہے تو کل امت کا ضلالت پر مجمع ہونا لازم آ جائے گا اور یہ امر نص سے باطل اور ممتنع ہے پس ثابت ہوا کہ اجماع کل امت بدوں تحقق سند مذکور کے متحقق ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ تو عبارتِ معیار کا مطلب ہے اور جو رسالہ دار نے تبدیل کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اجماع کل امت بدوں سند مذکور متحقق ہو خواہ نہ ہو لیکن اس کا حجت شرعی [illegible]

قطعاً مراد نہیں ہو سکتے چنانچہ خود اس کی عبارت کا سیاق و نیز عبارات کتب پیش کردہ اس پر شاہد عدل ہیں اور اس عقیدہ کا حوالہ معیار پر ہرگز صحیح نہیں ہے) تو بھی اس پر اعتراض کرنا سراسر بے جا ہے کیونکہ راوی اجماع کا حال مثل راوی حدیث کے ہے بس جس طرح حدیث کا راوی جب تک معلوم نہ ہو وہ حدیث حجت شرعی نہیں ہوتی اسی طرح اجماع کا راوی بھی جب تک معلوم نہ ہو حجت شرعی نہیں ہے (دیکھو توضیح و تلویح صفحہ ۳۶۶ و شرح مسلم الثبوت صفحہ ۴۳۳ و نور الانوار صفحہ ۱۷۹، صفحہ ۱۸۲)

اور اعتصام السنہ کے صفحہ ۲۴ کی عبارت یوں ہے :۔

فان تواطئ القرآن و الاحادیث هذه الثلثة قبل و الا فلا تقبل

یعنی اگر موافق ہو قرآن و حدیث ان تینوں کو (یعنی رائے اور قیاس اور اجماع کو) قبول کیے جائیں و الا نہ قبول کیے جائیں۔

اس عبارت میں اجماع سے اجماع شرعی مراد نہیں ہے جو کہ حجت شرعی ہے کیونکہ وہ تو خلاف قرآن و حدیث کے ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کی نسبت کہا جائے کہ اگر قرآن و حدیث کے موافق ہو تو قبول کیا جاوے و الا نہ قبول کیا جاوے بلکہ اس سے رسم و رواج زمانہ مراد ہے اور اس پر قرینہ اس کے بعد کی عبارت ہے جس میں اس کی مثالیں بیان کی ہیں جیسے چہلم کے دن مردہ کی روح نکالنے کے لیے قرآن پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔

یا وہ اجماع مراد ہے جس کا مضمون صرف مخالف کے حال کی لاعلمی ہے جس کا بہت لوگ اجماع نام رکھ لیتے ہیں اور اس کو حدیث صحیح پر مقدم کرتے ہیں جس کی تسلیم سے امام احمدؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ نے انکار کیا ہے۔ چنانچہ اشاعۃ السنۃ کے صفحہ ۵۵، صفحہ ۵۳ جلد ۷ میں حافظ ابن القیمؒ کی کتاب اعلام الموقعین سے [illegible]

بن حنبل کے اصول استنباط کے بیان میں بوساطت کتاب الفاظ منقول ہے کہ:

"امام احمدؒ حدیث صحیح پر کسی عمل اور رائے اور قیاس کو مقدم نہ کرتے اور نہ کسی صحابی کے قول کو اور نہ کسی کے عدم علم مخالف کو جس کا بہت لوگ اجماع نام رکھ لیتے ہیں اور اس کو حدیث صحیح پر مقدم کرتے ہیں۔ امام احمدؒ نے اس شخص کو جو ایسے اجماع کا دعوٰے کرے اور اس کو صحیح حدیث پر مقدم کرنے سے باز نہ آوے جھوٹا کہا ہے۔"

ایسا ہی امام شافعیؒ نے اپنے رسالہ جدید میں بتصریح بیان کیا ہے کہ:۔

"جس میں اختلاف معلوم نہ ہو اس کو اجماع نہیں کہا جاتا"

ان کے بعینہ الفاظ یہ ہیں:۔

مالم یعلم فیہ الخلاف فلیس اجماعًا

جس کا ٹھیک ترجمہ وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور امام احمدؒ کے بیٹے عبداللہ نے کہا ہے کہ میں نے اپنے باپ امام احمد سے سنا آپ فرماتے تھے:۔

"جو ایسے اجماع کا دعوٰے کرتا ہے وہ جھوٹا ہے شاید لوگوں کا اس میں اختلاف ہو جس کا علم اس کو نہیں پہنچا"

اس کو یوں بولا چاہیئے مجھے معلوم نہیں کہ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے (الی قولہ) یہ امام احمد کے الفاظ ہیں۔ اور ان کے نزدیک اور ان کے سوا اور بھی اماموں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصوص کی شان اس سے بالاتر ہے کہ اس پر اجماع کے وہم و گمان کو جس کا مضمون صرف مخالف کے حال سے لاعلمی ہے مقدم کیا جاوے۔ اگر یہ امر جائز ہو تو احادیث بیکار ہو جائیں اور ہر ایک کو جو کسی کو اپنے خیال کے مخالف نہ جانتا ہو یہ جائز ہو جاوے کہ اپنی لاعلمی کو حدیث [illegible] مقدم کرے) امام [illegible] اور امام شافعیؒ [illegible] سی قسم کے اجماع کی تسلیم

سے انکار کیا ہے نہ یہ کہ انہوں نے وجودِ اجماع کو بعید سمجھا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

اور نیز ص۵۳ ، ص۵۴ جلد مذکور میں مرقوم ہے کہ:۔

"امام ابن القیم ؒ فرماتے ہیں کہ جب سے یہ طریقہ (یعنی لاعلمی کو اجماع بنا کر احادیث کے مقابلہ میں پیش کرنا) پیدا ہوا تب سے ان نامعلوم اجماعوں سے احادیث کا مقابلہ شروع ہوا اور اس دعوے کا دروازہ کھلا۔ جب متقلدین مذاہب کے سامنے قرآن و حدیث سے استدلال قائم ہوئے تو وہ لوگ یہ کہنے لگے کہ یہ حدیث تو اجماع کے مخالف ہے۔ یہی اجماع خیالی و وہمی ہے جس سے ائمہ اسلام نے انکار کیا ہے اور ہر طرف سے اس کے دعوے کرنے والوں پر انہوں نے عیب لگایا اور ان کو جھوٹا کہا ہے۔"

چھٹا عقیدہ

"جو اس رسالہ میں اہلِ حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک مجتہد کا قیاس شرع میں معتبر نہیں۔ اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ معیار الحق کے ص۹ میں اور کتاب اعتصام السنہ کے ص۲۶ میں موجود ہے۔

جواب

اس عقیدہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے ان پہ اتہام باندھا ہے اور معیار الحق میں ہم نے بہت تلاش کیا کہیں اس کا پتہ نہیں ہے۔ مجیب صاحب کو چاہیئے کہ [illegible] نشاندہی کرا دیں۔ بلکہ معیار الحق میں تو [illegible]

قیاس سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ وجوب التزام مذہب معین کو اولاً ۵۴ سے ۸۵ تک میں پینتیس ۳۵ روایات کتب معتبرہ احناف سے۔ پھر ۸۵ سے ۹۰ تک میں کتاب سنت و اجماع سے باطل کر کے پھر ۹۱ میں قیاس سے باطل کیا ہے۔ ہاں معیار الحق مطبوعہ دہلی کے ۶۲ میں مولانا محمد اسماعیل دہلوی کی کتاب ایضاح الحق مطبوعہ افضل المطابع کے ۲۶ سے ایک عبارت نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اکثر متأخرین نے جو باتیں بلا دلیل شرعی اپنی رائے سے اختراع کی ہیں اور ان کو دین و ایمان کی باتیں سمجھی ہیں وہ سب بدعتِ حقیقیہ میں داخل ہیں۔ اور اس عبارت میں ان سب باتوں کی بہت سی نظیریں ذکر کی ہیں۔ ازاں جملہ ایک وجوب تقلید شخصی کو بھی لکھا ہے۔ اور معیار الحق میں عبارتِ مذکورہ کو اسی مقصد سے نقل کیا ہے۔ اور ایک نظیر ترویج مسائل قیاسیہ کو بھی لکھا ہے۔ غالباً رسالہ دار نے اسی عبارت کا حوالہ دے کر اتہام لے جا کیا اور دھوکا دیا ہے۔ کیوں کہ مولوی محمد اسماعیل رح کی مراد یہاں مسائلِ قیاسیہ سے مسائل قیاسیہ شرعیہ نہیں ہیں جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں بلکہ وہ مسائلِ قیاسیہ مراد ہیں جو بلا دلیل شرعی محض اپنی اپنی رائے سے اختراع کیے گئے ہیں اور ایسے مسائلِ قیاسیہ کو کوئی بھی اہل حق سے شرع میں معتبر نہیں جانتا اور ان مسائل قیاسیہ مخترعہ کے مراد ہونے پر بہت سے قرائن موجود ہیں۔

ازاں جملہ ایک تو یہ ہے کہ اس نظیر کو ایسے ہی امور کے نظائر میں پیش کیا ہے جو بلا دلیلِ شرعی محض اپنی اپنی رائے سے اختراع کی گئی ہیں۔

دوم یہ کہ ایضاح الحق میں اسی صفحہ کے آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:۔

"اکثر قدماء قیاس را تقبیح کردہ اند از لفظ قیاس ہمیں معنی مذکور مراد داشتہ اند نہ قیاسِ شرعی"

سوم یہ کہ مصنف ایضاح الحق قیاسِ شرعی کے منکرین سے نہیں ہیں۔ چنانچہ کتاب مذکور کے ص۵ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"قیاس در احکام مشروع ست بحکم آیت کریمہ فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ"

اسی طرح اور بہت سی جگہوں میں قیاس شرعی کو تسلیم اور غیر شرعی سے انکار کیا ہے، اور اعتصام السنہ میں اس مقام میں و نیز ص۳۷ میں وہی مضمون ہے جو جواب اتہام پنجم میں منقول ہوا یعنی قیاس اگر قرآن و حدیث کے موافق ہو تو لو ورنہ چھوڑ دو جس کا یہ مطلب ہوا کہ قیاس شرعی کو لو اور عقلی کو چھوڑ دو اور یہ بہت ٹھیک بات ہے اور یہی عقیدہ احناف کا ہے اور ان کی کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ (دیکھو شرح مسلم الثبوت مطبوعہ نولکشور ص۳۰۹ و نور الانوار ص۲۲ وغیرہ)

ساتواں عقیدہ

جو اس رسالہ میں اہلحدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ یہ لوگ مسئلہ رجعت کے قائل ہیں یعنی حضرت امام مہدی علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں سب مردے جو ان کی محبت پر مرے ہیں قبور سے قبل قیامت زندہ ہو کر ان سے مستفید ہوں گے اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ کتاب دراسات اللبیب مصنفہ مولوی معین مطبوعہ لاہور کے ص۲۱۹ میں موجود ہے۔

جواب

اس عقیدہ کا انتساب بھی اہلِ حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ سراسر ان پر اتہام اور بہتان ہے۔ اہل حدیث کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے اور مصنف دراسات

کی طرف بھی اس عقیدہ کی نسبت کرنی غلط ہے اس نے بھی اس کو بطور عقیدہ کے نہیں لکھا بلکہ یوں لکھا ہے کہ :۔

"اگر ائمہ طاہرین سے رجعت کی روایت صحت کو پہنچے تو اس سے یہی رجعت مراد ہوگی نہ وہ رجعت جس کو فرقہ مبتدعہ (یعنی شیعہ) نے اپنے جی سے نکالا ہے۔"

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شیعہ امامیہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی وحضرات حسنین علیہم السلام اور جو ان حضرات کے اعداء ومخالفین (شیعوں کے خیال میں) ہیں یہ سب لوگ بعد ظہور امام مہدی علیہ السلام کے زندہ کیے جائیں گے اور قبل حادثہ دجال کے ان حضرات کے اعداء ومخالفین سزایاب ہوں گے اور ان سے قصاص لیا جائے گا اور پھر مار ڈالے جائیں گے اور قیامت کے دن زندہ کیے جائیں گے۔ اور اس کو وہ لوگ رجعت کہتے ہیں (دیکھو تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ فخر المطابع ص ۲۵۴)

مصنف دراسات نے اس رجعت سے انکار کیا ہے اور صفحہ مذکورہ میں اہل علم سے اس رجعت کو نقل کیا ہے جو رسالہ دار نے ذکر کیا ہے۔ پھر ص ۲۲ میں لکھا ہے کہ

"اگر ائمہ طاہرین سے رجعت کی روایت صحیح ٹھہرے تو اس سے یہی رجعت مراد ہوگی نہ وہ رجعت جس کو شیعوں نے اختراع کیا ہے"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اس رجعت کو جو شیعوں کا عقیدہ ہے محض باطل سمجھتا ہے اور اس رجعت کو بھی جس کو بعض اہل علم سے نقل کیا ہے، صحیح تسلیم نہیں کرتا اور نہ اس کی روایت کی صحت کو قبول کرتا ہے بلکہ صرف اتنا ہی کہتا ہے کہ اگر اس کی روایت صحت کو پہنچے تو اس سے یہی رجعت مراد ہوگی نہ وہ رجعت اور ظاہر ہے کہ اتنے لکھنے سے اس کا معتقد ہونا اس رجعت کا لازم نہیں آتا۔

اور اگر بالفرض اس کا یہ عقیدہ ہو بھی تو بھی اس سے اہلحدیث پر کیا الزام ہے وہ تو ایسی بے دلیل باتیں زٹل سمجھتے ہیں بدوں شہادت کتاب و سنت کے کوئی بات کسی کی قبول نہیں کرتے اور نیز صاحب دراسات تو حنفی المذہب ہے اور اس نے اپنا حنفی المذہب ہونا اسی کتاب کے بارہویں دراست میں بڑے شد و مد سے بیان کیا ہے۔ پھر اگر اس سے کچھ الزام ہے تو احناف ہی پر ہے، نہ اہلحدیث پر۔ چونکہ صاحب دراسات نے اس کتاب میں مسئلہ تقلید و عمل بالحدیث کی چھیڑ چھاڑ بہت کی ہے اور بلبشتر مقامات میں جو اس باب میں امر حق تھا اس کو ظاہر کر دیا ہے اور یہ بات رسالہ دار اور اس کے ہم خیالوں کو بہت بُری لگتی ہے اور اس کے کہنے والے کی تذلیل کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور طرح طرح سے اس کو متہم کرنے لگتے ہیں لہذا اس نے شاید اسی خیال سے ڈیڑھ سو برس پہلے ہی سے اپنا حال لکھ دیا تاکہ کوئی متہم نہ کرے لیکن انہوں نے نہ مانا آخر اس کو متہم کر ہی چھوڑا۔

ابھی ہم دراست مذکورہ سے جس میں اس نے اپنا حنفی المذہب ہونا شد و مد سے بیان کیا ہے کچھ تھوڑا سا مضمون نقل کرتے ہیں۔ ص۲۲ میں لکھا ہے کہ:

"میں بسبب تصنیف اس کتاب کے بعید نہیں کہ متہم ہو جاؤں بے عملوں کے نزدیک باتہام بد اعتقادی کے جناب میں امام ابوحنیفہ کے۔ کیونکہ لوگ یہ خیال کریں گے کہ میں نے ان کا مذہب چھوڑ دیا ہے اور ان کے اس خیال کو مضبوط کر دے گا۔ میرا ذکر کرنا اس کتاب میں حنفیوں کی دلیریوں کو مخالفت پر احادیث صحیحہ کے۔ اور میں نے امام ممدوح کا مذہب نہیں چھوڑا بجز اس مسئلہ کے جس میں حدیث کا خلاف ہے اور مجھے مذہب کی طرف سے جواب شافی معلوم نہیں ہوا۔ سو یہ تابعداری عین اس مذہب کی ہے کیونکہ سند صحیح سے ان کی

وصیت ہم کو پہنچی ہے کہ جب حدیث صحیح کسی کی رائے کے برخلاف معلوم ہو تو عمل حدیث پر چاہیئے۔ رہا ذکر کرنا ہمارا حنفیوں کی دلیریوں کو سو وہ امام کی طرف منسوب نہیں ہو سکتیں اور یہ بڑی نادانی کی بات ہے کہ "تابعداروں کے قول کو امام کی طرف منسوب کر دیا جاوے۔"

آٹھواں عقیدہ

جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ہمراہی ارث نہ دینے حضرت فاطمہؓ میں خطا پر ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی کتاب (دراسات اللبیب) کے ص۲۱۳ میں یہ مضمون موجود ہے۔

جواب

اس عقیدہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف غلط ہے۔ اہل حدیث کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے اور دراسات کے صفحہ مذکورہ کی عبارت سے بھی صاف نہیں نکلتا کہ اس کے مصنف کا یہ عقیدہ ہے۔ اس کی ظاہر عبارت سے تو اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر اور ان کے ہمراہیوں کے ارث نہ دینے میں قطعاً مصیب ہونے پر دلیل کا طالب ہے۔ جس سے صاف طور پر یہ نکلتا ہے کہ اس کو اس اصابت قطعیہ کی دلیل معلوم نہیں ہے اور اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ ان کے خطا پر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے۔ ان دونوں امروں میں تو بُون بعید ہے۔

اور اگر بالفرض اس کا یہی عقیدہ ہے تو اس سے اہل حدیث پر کیا الزام ہے۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اس کا مصنف حنفی المذہب ہے اگر اس سے کچھ الزام ہے تو احناف ہی پر ہے۔

نواں عقیدہ

جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک حضرت ابو بکرؓ حضرت فاطمہ زہراؓ کے ساتھ اور حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے ساتھ کینہ رکھتے تھے اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ کتاب اعتصام السنہ مطبوعہ کانپور مصنفہ مولوی عبد اللہ معروف جہاد ساکن مئو متصل الہ آباد کے صد ۶۹ میں مذکور ہے۔

جواب

رسالہ دار نے اس جگہ اصل مقصود مصنف اعتصام السنہ کا حذف کر کے صرف اتنا قول بیچ سے نقل کر دیا ہے اور اس میں بھی غلطی کی ہے۔ ٹھیک ٹھیک نقل نہیں کیا ہے۔ مصنف اعتصام السنہ نے اس کے اوپر کے صفحہ میں ایک حدیث لکھی ہے جس سے اس رائے کی برائی نکلتی ہے جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مقابل ہو۔ پھر لکھتا ہے کہ:۔

”اس حدیث میں برائی ہے رائے شخصی کی کہ مقابلہ کرے ساتھ اس کے کلام رسول مقبول ؐ کو اس واسطے کہ بے شک ہر نبی معصوم ہیں اور غیر انہوں کے معصوم نہیں ہیں اور لینا قول اور فعل انہوں کا رحمت کا ہونا غضب کا سنت ہے واسطے امت انہوں کے، اور قول فعل امت کا انھوں کے نہیں سنت کسی کے واسطے جیسے دیکھو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (بوجہ نہ دینے میراث کے) حضرت ابو بکرؓ سے خفا ہو گئیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (بوجہ بیعت نہ کرنے ان کے حضرت ابو بکرؓ سے)

خفا ہو گئے تو اگر نبی کے سوا اوروں کے قول و فعل کا بینا بھی امت کے واسطے سنت ہو تو چاہیئے کہ ان باتوں کا لینا بھی سنت ہو"

اور واضح رہے کہ یہ ناخوشی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی حضرت ابوبکرؓ سے اور ناخوشی حضرت عمرؓ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک ایسا امر ہے، جس کے ذکر سے کتابیں اہل سنت اور غیر اہل سنت کی مالا مال ہیں۔ صرف اعتصام السنہ ہی میں یہ امر مذکور نہیں ہے۔ (دیکھو صحیح بخاری مع قسطلانی مطبوعہ نولکشور ص۱۵۴، ص۱۵۵ جلد ۵ و ص۳۰۴، ص۳۰۵ جلد ۶ وغیرہ)

علاوہ اس کے اس طرح کے امور مقتضائے بشریت سے ہیں۔ اگر ان سے خاصان خدا سے کسی وقت وقوع میں آ گئے تو کیا استبعاد ہے اور کون سا محل اعتراض۔ دیکھو اللہ تعالیٰ سورہ اعراف کے رکوع پنجم اور سورہ حجر کے رکوع چہارم میں نیک لوگوں کے حال میں جو کہ جنتی ہیں فرماتا ہے:۔

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

ترجمہ یعنی (جب ہم ان کو جنت میں لے جائیں گے تو) ان کے سینوں کو ہر طرح کے کینوں سے صاف کر دیں گے۔

تفسیر موضح القرآن مصنفہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ میں سورہ اعراف کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:۔

"معلوم ہوا کہ نیکوں کے دل میں بھی آپس میں خفگی ہو گی۔ جنت کے قریب پہنچ کر آپس میں دل صاف ہوں گے۔ تب جنت میں جائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں اور عثمان اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں ہیں"

اور سورۂ حجر کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:۔

"دنیا میں جو کچھ آپس میں خفگی تھی جی صاف ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی دو آدمیوں میں خفگی رہی ہے اور وہ دونوں بہشتی ہیں جیسے حضرت کے اصحاب۔"

اور تفسیر فتح الرحمٰن مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے:

"یعنی آں کینہا کہ در دل بہشتیاں باشد دور کنیم مثل آنچہ میان عثمان و علی و طلحہ و زبیر و عائشہ رضی اللہ عنہم واقع شد۔"

اور دیکھو تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک اور تفسیر کبیر اور تفسیر ابوالسعود اور تفسیر جامع البیان وغیرہ کہ سب بلا خلاف اس آیت کے نیچے یہی لکھتے ہیں۔

دسواں عقیدہ

جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ ان کے نزدیک چاروں اماموں کے پیرو اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی شافعی مالکی حنبلی اور چشتیہ اور قادریہ و نقشبندیہ و مجددیہ یہ سب لوگ کافر ہیں اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ کتاب اعتصام السنہ کے ص۲ میں مذکور ہے۔

جواب

اس عقیدہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے اور مصنف اعتصام السنہ نے بھی علی الاطلاق سب کو کافر نہیں کہا ہے۔ اس بات کی نسبت اس کی طرف بھی نافہمی یا بے انصافی ہے۔ اس نے تو انہیں لوگوں کو کافر کہا ہے جو رائے اور عقل کی نکالی ہوئی باتوں کو کتاب و سنت پہ ترجیح دیتے ہیں یا نئے نئے اشغال و مراقبات جن میں کفر و شرک ملا ہوا ہوتا ہے

اپنی طرف سے ایجاد کر کے عمل میں لاتے ہیں۔ چنانچہ اس نے جو وجہ کفر کی بیان کی ہے (یعنی نافرمانی کرنا اللہ کی اور اس کے رسول کی) اور یہ قول اس کا ذکر تصنیف کیا واسطے تائید مذہب کے کتابیں عقل کی) اور یہ قول اس کا (اور اس میں مراقبہ برزخی ہے اور ذکر منشاری ہے اور اسدی ہے اور وجد ناچنے کا ہے دمونیر اور طنبوروں پر اور بربطوں پر اور کشف ہے کہ دعوے کیا جاوے اس سے غیب کا اور وہ خاصہ اللہ کا ہے) اور قول اس کا (حالانکہ وہ خلاف ہے اللہ اور رسول اللہ کے۔ پھر مت تابعداری کر تو انہوں کی اس واسطے کہ وحی رسولؐ کی اور الہام رسول کا واسطے ہم سبھوں کے دین روشن ہے اور کلام انہوں کا جھوٹا اور باطل ہے) صریح دلالت کرتی ہے اس پر جو ہم نے کہا ہے کہ اس نے علی الاطلاق سب کو کافر نہیں کہا ہے بلکہ انہیں لوگوں کو کہا ہے جن میں یہ صفتیں پائی جاتی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ نام سے کام نہیں چلتا یعنی جس طرح صرف مسلمان یا اہل حدیث نام رکھ لینے سے کوئی مسلمان یا اہل حدیث نہیں ہو جاتا جب تک کہ اس نام کی صفت اس میں نہ پائی جاوے۔ اسی طرح حنفی یا شافعی یا چشتی یا قادری نام رکھ لینے سے کوئی حنفی یا شافعی یا چشتی یا قادری نہیں ہو جاتا جب تک کہ اس نام کی صفت اس میں نہ پائی جاوے۔

تو مصنف اعتصام السنہ نے انہیں لوگوں کو کافر کہا ہے جو نام کے حنفی یا شافعی یا چشتی یا قادری ہیں جن میں ان ناموں کی صفتیں نہیں پائی جاتیں بلکہ جو اُن کے برخلاف ہیں وہ صفتیں پائی جاتی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں اور ایسوں کے کافر ہونے میں کون شک کر سکتا ہے۔ تمام اگلے پچھلے علماء ایسا ہی فرما گئے ہیں۔ (دیکھو تفسیر فتح العزیز سورہ بقرہ مطبوعہ افضل المطابع ص۴۵ اور فتوح الغیب مع شرح مطبوعہ نولکشور ص۲۱۶، ص۲۲ اور حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ ص۱۴۰)

دعقد الجید مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص۴۲، ص۴۶، ص۹۵، ص۹۶ وعبارت مواہب لدنیہ مندرجہ دراسات مطبوعہ بیت السلطنت لاہور ص۹، ص۹۱ وتفسیر ابوالسعود مطبوعہ استنبول ص۲۰ جلد دوم، ص۲۱، ص۲۲ جلد۳ وتفسیر کبیر مطبوعہ استنبول ص۶۲۳، ص۶۲۴ جلد۳ وتفسیر مظہری مطبوعہ حصار ص۲۹۳ جلد اول وتفسیر حسینی مطبوعہ نولکشور ص۱۴۱ جلد اول وتفسیر مدارک مطبوعہ مطبع محمدی بمبئی ص۹۵، ص۲۱ وتفسیر جامع البیان مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص۱۶۶ واکلیل فی استنباط التنزیل مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص۵۳ والفوز الکبیر فی اصول التفسیر مطبوعہ کلکتہ ص۲۱ وعبارت انتباہ مندرجہ ضمیمہ اشاعۃ السنہ نمبر۱۱ جلد۲ ص۵۶، ص۵۸

اور یہ بھی واضح رہے کہ جس طرح ایمان اہل حدیث کے نزدیک مطابق احادیث صحیحہ کے طاعت کا مرادف ہے اور مثل اختلاف مراتب و درجات طاعت کے اس کے مراتب و درجات مختلف ہیں۔ کوئی اعلیٰ ہے جیسے اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنا اور کوئی اوسط ہے جیسے نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا وغیرہ اور کوئی ادنیٰ ہے جیسے رستے سے اذیت کی چیز کا ہٹا دینا۔

اسی طرح کفر بھی اہل حدیث کے نزدیک بدلیل احادیث صحیحہ معصیت کا مرادف ہے اور مثل اختلاف مراتب معصیت کے اس کے مراتب مختلف ہیں کوئی اعلیٰ ہے چنانچہ وہ اکبر الکبائر جو ملتِ اسلام سے ناقل ہیں جیسے معاذ اللہ خدا کی وحدانیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کرنا۔ اور کوئی اوسط ہے جیسے دیگر کبائر مثل چوری، زنا اور قتلِ ناحق وغیرہ اور کوئی ادنیٰ جیسے صغائر۔

اور جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس سے واضح ہو گیا کہ اہلِ حدیث کے

(نزد)یک کسی گناہ پر کفر کا اطلاق کرنے سے اس کا ملتِ اسلام سے ناقل کہنا یا اس (کے) مراتب کو ملتِ اسلام سے خارج کہنا لازم نہیں آتا جب تک کہ وہ گناہ اس (اعلیٰ) درجہ کا اکبر الکبائر نہ ہو جو ملتِ اسلام سے ناقل ہے۔ (دیکھو حجۃ اللہ البالغہ (مط)بوعہ مطبع صدیقی بریلی ص۱۶۵ و کتاب الصلوٰۃ حافظ ابن القیمؒ مطبوعہ مطبع (ا)لفنوی دہلی ص۲۷ تا ص۳۱)

و مع ہذا ہمارے نزدیک اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مصنف اعتصام (السنہ) سے عبارت میں بعض بعض جگہوں میں ضرور مسامحہ ہوا ہے یعنی عبارت بعض (جگ)ہوں میں ایسی ناصاف لکھی ہے جس کے معنی سباق و سیاق کے لحاظ سے کئے (جا)تے ہیں، اس کو مناسب تھا کہ اس طرح کی باتیں بہت صاف عبارت میں لکھنا (کہ) بلا لحاظ سیاق و سباق کے نفس عبارت سے مطلب بخوبی ادا ہو جاتا لیکن اس (ک)تاب کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کو عبارت لکھنے کا سلیقہ (ا)ب نہ تھا۔

تقلیدِ شخصی کا بیان

اس مقام میں تقلیدِ شخصی کا بیان مناسب معلوم ہوتا ہے اس لیے ہم اس

(جگ)ہ پر اس کا بیان کرتے ہیں۔

پس صاف واضح ہو کہ تقلیدِ شخصی (یعنی جمیع مسائل میں مذہبِ معیّن کی پابندی) (ک)ے واجب ہونے کا مسئلہ محض بلا دلیل ہے نہ خدا نے کہیں فرمایا ہے نہ رسولؐ نے (ن)ہ رسولؐ کے اصحاب و خلفاء نے اور نہ ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی (و) امام احمد بن حنبل و غیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین نے بلکہ دلائل شرعیہ و اقوال ائمہ (مجت)ہدین مذکورین سے اس کا خلاف ثابت ہے اور اصول و فروع کی کتابوں میں

مفصل مذکور ہے۔ ہم تھوڑا سا اس جگہ پر ذکر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں سورہ نحل کے چھٹے رکوع میں اور سورہ انبیاء کے پہلے رکوع میں فرمایا ہے:۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

یعنی پوچھ لو اہل ذکر (یعنی اہل علم) سے اگر تم نہیں جانتے ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ وقت لاعلمی کے کسی اہل علم سے پوچھ کر اس کی اتباع کرنی واجب ہے اور اہل ذکر کا لفظ عام ہے تو اس کو بلا دلیل ایک کے ساتھ خاص کر لینا اور اسی سے پوچھنے کو واجب ٹھہرا لینا اور دوسرے سے پوچھنے کو ناجائز جاننا تخصیص بلا مخصص اور عموم آیت کو گویا منسوخ کرنا ہے۔

فتح القدیر مطبوعہ نولکشور کے ص ۲۴ جلد ۳ میں مرقوم ہے کہ:۔

"مجتہد معین کی پیروی کے واجب ہونے پر شرعاً کوئی دلیل نہیں بلکہ دلیل تو اسی بات کو چاہتی ہے کہ وقت لاعلمی کے کسی مجتہد کے قول پر عمل کر لیوے بدلیل اس آیت کے کہ پوچھ لو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے ہو۔"

اور عقد الجید کے ص ۳۲ میں ابن حاجب سے منقول ہے کہ:۔

"جب کوئی ایک مسئلے میں کسی مجتہد کی پیروی کرے تو دوسرے مسئلے میں دوسرے مجتہد کی پیروی جائز ہے اور یہی قول پسندیدہ ہے بدلیل اس آیت کے کہ پوچھ لو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے ہو۔ پس یہ کہنا کہ پہلے جس مجتہد کی پیروی ایک مسئلہ میں کر چکا ہے بقیہ مسائل میں بھی اسی کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ نص (یعنی آیت) کو مقید کرنا ہے اور یہ بات قائم مقام نسخ کے ہے۔ چنانچہ اصول میں ثابت ہو چکا ہے۔"

اور مسلم الثبوت۔ اور اس کی شرح فواتح الرحموت مصنفہ مولانا بحر العلوم مطبوعہ نولکشور کے ص۶۲۸ میں مرقوم ہے کہ:۔

"جب کوئی کسی مسئلہ میں ایک مجتہد کی پیروی کرے تو اس کو درست ہے کہ دوسرے مسئلے میں دوسرے مجتہد کی پیروی کرے کیونکہ یقیناً معلوم ہے کہ ہمیشہ سے یہ بات چلی آئی ہے کہ سب لوگ قرون اولیٰ میں کبھی کسی امام کی پیروی کر لیتے تھے اور کبھی کسی کی اور اس باب میں کبھی کسی نے روک ٹوک نہیں کی اور یہ اجماع ایسا تواتر کو پہنچ گیا ہے کہ اس میں شک وشبہہ کی گنجائش نہیں رہی۔"

اور ص۶۲۸، ص۶۲۹ میں مرقوم ہے کہ:۔

"اگر کوئی شخص خود بخود اپنے اوپر التزام کرلے کہ میں ایک ہی مذہب کی تقلید کروں گا اور یہ التزام اس نے اس وجہ سے نہیں کیا ہے کہ اس مذہب کے ہر ایک مسئلہ کی دلیلوں کو تفصیلاً مان چکا ہے اور ان دلیلوں کو دوسرے مذہب کی دلیلوں سے مرجح سمجھ لیا ہے بلکہ صرف اپنے جی سے اس مذہب کی بزرگی خیال کرکے یا اور کسی سبب سے یہ التزام کرلیا ہے تو اس کے حق میں تین قول ہیں:۔

ایک ص یہ کہ اس کو اس مذہب پر ہمیشہ رہنا واجب اور دوسرے مذہب کی طرف انتقال حرام ہے۔ (حتیٰ کہ بعض متاخرین اہل تکلف نے بہت سختی کی ہے اور کہا ہے کہ اگر حنفی شافعی ہو جائے تو قابل تعزیر ہوتا ہے حالانکہ یہ اپنے جی سے شریعت بنانی ہے)

دلیل ص اس قول کی یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک مذہب کا التزام کرتا ہے تو ضرور اس میں حقیقت کے غالب ہونے کا اعتقاد

کر لیتا ہے۔

جواب اس دلیل کا یہ ہے کہ اعتقاد مذکورہ کا ضروری ہونا قابل تسلیم نہیں ہے اس لیے کہ آدمی کبھی دو متساوی چیزوں میں سے ایک کا التزام کر لیتا ہے اس وجہ سے کہ وہ اس کو فی الحال نافع ہے اور اس کے نفس سے تنگی کو دفع کرنے والا ہے اور اگر اعتقادِ مذکور کا ضروری ہونا مان بھی لیا جا دے تو یہ اعتقاد دلیل شرعی سے پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ متعلد کا یہ ہوس (ایک قسم کا جنون) ہے اور اپنی ہوس پر ہمیشگی کرنا واجب نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ استمرار اس کو اس مذہب پر واجب نہیں ہے اور انتقال دوسرے مذہب کی طرف درست ہے اور یہی حق بات ہے جس پر ایمان لانا اور اعتقاد رکھنا لائق ہے لیکن اتنی بات ہے کہ یہ انتقال بطور کھیل[1] کے نہیں ہونا چاہیے کیونکہ کھیل حرام ہے، مذہب میں ہو خواہ دوسرے امر میں۔

دلیل اس قول کی یہ ہے کہ واجب وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا اور حکم اسی کو سزاوار ہے اور اللہ نے کسی پر کسی ایک امام کا مذہب معین کر لینا واجب نہیں کیا تو اس کو واجب ٹھہرا لینا ایک نئی شریعت نکالنی ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ التزام کرنے والا مثل غیر ملتزم کے ہے۔ یعنی جس طرح غیر ملتزم کو ایک مسئلہ میں ایک مجتہد کی اور دوسرے مسئلہ

[1] واضح ہو کہ انتقال بطور کھیل کے اہلحدیث کے مذہب پر متصور ہی نہیں ہے اور اس کی وجہ ہمارے اصول مذہب کے بیان سے جو سابقًا مذکور ہوا بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔

ہیں دوسرے مجتہد کی تقلید جائز ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اسی طرح ملتزم کو جائز ہے ۔

دلیل ص۹ اس قول کی یہ ہے کہ ایک مذہب کی پیروی کے واجب ہونے پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور جس امر کو شارع نے واجب نہیں کیا اس کو واجب ٹھہرا لینا اپنی رائے سے شریعت نکالنی ہے اور یہ باطل اور حرام ہے ۔"

اور شامی مطبوعہ دہلی ص۳۳ جلد اول میں تحریر اور شرح تحریر سے منقول ہے کہ :۔

" اگر کوئی کسی مذہب معین کو اپنے اوپر لازم کرلے جیسے مذہب ابو حنیفہؒ یا مذہب شافعیؒ کو تو ایک قول یہ ہے کہ وہ مذہب اس کو لازم ہو جاتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ لازم نہیں ہوتا اور یہی اصح ہے ۔"

اسی طرح عقد الجید مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص۴۵ سے ص۴۸ تک خزانۃ الروایات سے منقول ہے ۔ اسی طرح اور بہت سی کتب معتبرہ اصول میں موجود ہے ۔

اور شامی کے ص۳۳ جلد اول میں فتاوی ابن حجر سے منقول ہے کہ :۔

" اصح یہ ہے کہ عامی کو اختیار ہے جس کی چاہے تقلید کرے ۔"

اور اسی کے ص۵۱ میں مرقوم ہے کہ :۔

" اگر کسی نے ایک دن نماز پڑھی ایک مذہب پر اور چاہا کہ دوسرے دن نماز پڑھے دوسرے مذہب پر تو اس سے منع نہ کیا جاوے ۔"

اور صفحہ مذکور میں علامہ شرنبلالی کی کتاب عقد الفرید سے منقول ہے کہ :۔

" نہیں ہے انسان پر لازم کر لینا ایک مذہب کا ۔"

اور صفحہ مذکور میں فتاوی بزازیہ سے منقول ہے کہ :۔

"امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے حمام سے نہا کر جمعہ کی نماز پڑھی پھر خبر دیے گئے کہ حمام کے کنویں میں چوہا مرا ہوا تھا تو کہا کہ اب ہم اپنے برادرانِ اہل مدینہ کے قول پر عمل کرلیں گے کہ جب پانی دو قُلّہ کو پہنچ جاوے تو ناپاک نہیں ہوتا"

(اور ایسا ہی حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی کے ص۱۶۱ میں بھی مرقوم ہے)
اور ص۲۰۶ میں طحطاوی سے منقول ہے کہ:-

"پسندیدہ قول یہ ہے کہ دوسرے امام کی پیروی جائز ہے ہر حال میں۔ ضرورت ہو خواہ بے ضرورت اگرچہ بعد وقوع عمل کے ہو۔ چنانچہ ہم اس کتاب کے دیباچہ میں مذکور کرچکے ہیں[1]"

اور ضمیمہ اشاعۃ السنۃ جلد اول کے ص۳۹، ص۴۰ میں رسالہ الیقاف مولفہ شیخ محمد حیات مہاجر مدنی رحؒ سے منقول ہے کہ:-

"جب کہ (سب کا) معبود عبادت کا حکم دینے والا ایک ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دین اسلام کے احکام کے پہنچانے والے) ایک ہیں اور دینِ اسلام ایک ہے اور یہ سبھی علماء اتباعِ دین کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس میں اپنی طرف سے قصور نہیں کرتے اور ہر ایک کے لیے فضائل و کمالات حاصل ہیں اور خدائے تعالیٰ نے (عام طور پر) فرمایا ہے کہ تم اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم کو علم نہیں ہے تو پھر ایک شخص کے لیے تعصب کرنا اور اسی کے قول پر جمے رہنا کس لیے ہے"

اور میزانِ شعرانی مطبوعہ اکمل المطابع دہلی کے ص۴۳ میں امام ابن عبدالبرؒ سے منقول ہے کہ:-

"ہم کو کسی امام سے یہ بات نہیں پہنچی کہ اس نے اپنے اصحاب

---

[1] اس سے وہی واقعہ امام ابو یوسفؒ کا مراد ہے جو ابھی ... ازیہ سے منقول ہوا۔

کو کسی مذہب معین کے لازم پکڑنے کا حکم دیا ہو جس کا خلاف کرنا وہ صحیح نہ جانتا ہو بلکہ اماموں سے یہی منقول ہے کہ انہوں نے ایک کو دوسرے کے فتوے پر عمل کرنے کو ثابت رکھا ہے کیوں کہ سبھی امام خدا کی طرف سے ہدایت پر ہیں"

اور نیز اسی صفحہ میں امام ممدوح سے منقول ہے کہ :۔

"ہم کو کسی حدیث صحیح یا ضعیف میں نہیں پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنی امت میں سے یہ حکم دیا ہو کہ وہ ایک مذہب کو لازم پکڑ لے جس کا خلاف وہ صحیح نہ سمجھے"

اور ضمیمہ اشاعۃ السنہ جلد ۲ صفحہ ۳۴ میں علامہ ہارون مرجانی حنفی کی کتاب ناظورۃ الحق سے منقول ہے کہ :۔

"شیخ محی الدین عربیؒ نے فتوحات مکیہ میں فرمایا ہے کہ اماموں (جیسے ابو حنیفہ و مالک و احمد و شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ) نے یہ کام ہرگز نہیں کیا ان سے کہیں منقول نہیں ہے کہ انہوں نے کسی کو کہا ہو کہ ہمارے ہی قول کے پابند رہو اور نہ یہ کہا ہے کہ ہر بات میں جو ہم فتویٰ دیں ہماری تقلید کر لو۔ ان سے تو اس کا خلاف منقول ہے"

اور حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی کے صفحہ ۱۵۸ میں چوتھی صدی تک کے لوگوں کا حال منقول ہے کہ :۔

"جب ان کو کوئی واقعہ پیش آ جاتا تو اس میں جس مفتی کو پاتے، اس سے فتوے پوچھ لیتے۔ کسی مذہب کی تعیین نہ کرتے"

اور اسی صفحہ میں و نیز صفحہ ۱۵۹ میں مرقوم ہے کہ :۔

"ان زمانوں کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جو دائیں بائیں چل نکلے

اور ان میں کئی امور پیدا ہو گئے۔ از اں جملہ یہ کہ وہ تقلید[1] پر مطمئن ہو گئے اور تقلید ان کے دلوں میں ایسی آہستہ چل کر آ گھسی جیسے چیونٹی آہستہ چلتی ہے، جس سے ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔"

اور عقد الجید مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی کے ص۲۲ و حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی کے ص۱۶۱ میں امام عزالدین بن عبدالسلامؒ سے منقول ہے کہ:۔

"لوگوں کا ہمیشہ سے یہ حال رہا کہ جو عالم مل جاتا اس سے مسئلہ پوچھ لیتے۔ کسی مذہب کی کچھ قید نہ تھی اور نہ سائل کو کبھی اس سے کوئی روکتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ مذاہب اور ان کے متعصب مقلد پیدا ہوئے" (وہ متعصب روک ٹوک کرنے لگے)

اور عقد الجید کے ص۹۵ میں مرقوم ہے کہ:۔

"امام شعرانیؒ نے علمائے مذاہب میں سے ایک بڑے گروہ کا یہ حال نقل کیا ہے کہ وہ اصحاب مذاہب کے زمانے سے لے کر ان کے زمانے تک ان مذاہب پر عمل کرتے اور فتوے دیتے آئے اور کسی مذہب معین کا التزام نہ رکھتے۔"

اور امام ممدوح نے اس حال کو اس طرح سے نقل کیا ہے کہ ان کے کلام سے نکلتا ہے کہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ علمائے متقدمین اور متاخرین ہمیشہ اسی حال پر رہے ہیں یہاں تک کہ یہ حال متفق علیہ اور اجماعی ہو گیا اور سبیل مومنین ٹھہر گیا جس کا خلاف (بحکم آیۂ کریمہ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ) جائز نہیں ہے۔

اس طرح کے اقوال ہم کہاں تک نقل کریں ہزاروں ہی ہیں۔ مصنف کے لیے اتنا بس ہے۔ اور کچھ اقوال متضمن منع تقلید (یعنی کسی کی بات کو بے دلیل مان لینا)

[1] یہاں تقلید سے مراد ہے کسی کی بات کو بے دلیل مان لینا۔

جوابات عقائد سے پہلے اپنے اصول مذہب کے بیان میں اور کچھ دفعہ دوم کے جواب میں بھی ائمہ مجتہدین سے نقل کر چکے ہیں۔

اب ایک بات اور یہاں پر لکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ اوپر کی عبارتوں سے خوب واضح ہوا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خلفاء رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بلکہ کتنے سو برس بعد تک تقلید شخصی کے واجب نہ ہونے پر سب کا اجماع واتفاق رہا اور اس میں کسی کو خلاف نہ تھا اور یہ اجماع ایسا قطعی اور تواتر کو پہنچا ہوا ہے جس میں شک و شبہہ کو اصلاً گنجائش نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس زمانے کے کسی آدمی کی نسبت کہیں سے کوئی نشان نہیں دے سکتا کہ وہ کسی امام کی تقلید شخصی کو اس زمانے میں واجب جانتا تھا۔ پھر اس کے بہت زمانے کے بعد وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف واقع ہوا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

"بنی اسرائیل پھوٹ کر بہتر فرقے ہو گئے تھے اور میری امت تہتر فرقے ہو جائے گی اور سوائے ایک فرقے کے سب فرقے دوزخی ہوں گے"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کون ایک فرقہ ہے یا رسول اللہ! جو دوزخی ہونے سے مستثنیٰ ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو میرے اور میرے تمام اصحاب کے چال پر ہوگا"

(دیکھو مشکوٰۃ شریف ص۱۹ جلد اول)

اور نیز فرمایا ہے کہ:۔

"جو کوئی تم میں سے میرے بعد جیتا رہے گا وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا۔ سو تم پر (ایسے وقت میں) میری سنت اور خلفائے راشدین

کی سنت لازم ہے اس کو خوب لازم پکڑیو اور دین میں نئی باتوں سے بہت بچیو، کیونکہ دین میں ہر ایک نئی بات بدعت ہے اور ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔" (دیکھو مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۳۰ جلد اول)

عقائد کے جوابات ختم ہوئے

یہاں سے عملیات کے جوابات شروع ہوتے ہیں

پہلا مسئلہ: جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک پانی اگرچہ نہایت ہی قلیل ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ رنگ اور بو اور مزہ تینوں نہ بدلیں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے طریقہ محمدیہ ترجمہ درر بہیہ مصنفہ نواب صدیق حسن خاں رئیس بھوپال مہر شدہ دہلوی نذیر حسین صاحب کے ص۸ مطبوعہ میں جو مولوی محمد شاہ صاحب کے پاس ہے مرقوم ہے جس کا یہ مطلب ہوا کہ ایک پیالہ پانی میں یا ایک گھڑے میں اس قدر گو یا موت یا شراب پڑ جائے کہ جس سے اس کا رنگ اور بو اور مزہ نہ بدلے یا اس میں کتا اور سور منہ ڈالے یا کسی کنویں میں سور اور کتا ڈوب مرے وہ پانی پاک ہے اس سے وضو نماز درست ہے۔

جواب: اس مسئلہ کا انتساب اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ان پر اتہام بے جا ہے اور طریقہ محمدیہ ترجمہ درر بہیہ کے ص۸ میں یہ کہیں نہیں ہے کہ پانی

ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ رنگ اور بو اور مزہ تینوں نہ بدلیں۔ "تینوں" کا لفظ اس میں نہیں ہے، رسالہ دار نے اپنی طرف سے بڑھا کر اتہام بے جا کیا ہے۔ اصل کتاب (درر بہیہ) میں یہاں پر اَوْ کا لفظ ہے جس کے معنی اردو زبان میں "یا" کے آتے ہیں۔ نواب صاحبؒ نے اس کا ترجمہ "و" کا کیا ہے جس کے معنی اردو میں "اور" کے ہوتے ہیں لیکن یہ کچھ غلطی نہیں ہے کیونکہ جس طرح عربی میں "و" کے معنی "اَوْ" بکثرت آتے ہیں اسی طرح اردو میں بھی "اور" کے معنی "یا" بہت آتے ہیں۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ ان آیات کریمہ :

(۱) لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

ترجمہ:۔ مردوں کے لیے بھی اس میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور ناتے والے چھوڑ مرے اور عورتوں کے لیے بھی اس میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور ناتے والے چھوڑ مرے۔

(۲) وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ

ترجمہ: اور ترکہ بانٹنے کے وقت ناتے والے اور بن باپ کے لڑکے اور غریب لوگ (جن کو حصہ نہیں پہنچا) حاضر ہوں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دو۔

(۳) وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ

ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس پر ٹھیک

راہ کھل چکی ہے اور چلے اس راہ پر جو سب مسلمانوں کی راہ کے سوا ہے۔
ہم پھیر دیں گے اس کو جدھر وہ پھرا ہے اور اس کو ہم دوزخ میں ڈالیں گے
میں ظاہر ہے کہ اجتماع مراد نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ والدین اور قرابت والے
جب سب اکٹھا اور مجتمع ہو کر مریں اور مال چھوڑیں تو ان کے وارث مردوں اور عورتوں
کو اس میں سے حصہ ملے اور جو تنہا تنہا مریں اور مال چھوڑیں تو نہ ملے
اسی طرح جب زکوٰۃ کی تقسیم کے وقت قرابت والے اور یتیم اور مسکین سب
اکٹھے ہو کر حاضر ہوں تو اس میں سے کچھ ان کو دیا جائے اور الفراداً حاضر ہوں تو نہ دیا جائے
اسی طرح جب کوئی شخص مخالفت رسول اور اتباع غیر سبیل المومنین دونوں
کا ایک ہی ساتھ مرتکب ہو تو اس کے حق میں وعید مذکور ہو اور الفراداً ایک کا مرتکب
ہو تو نہ ہو ۔۔۔ حالانکہ یہ محض باطل ہے۔ (دیکھو موضح القرآن زیر تفسیر آیہ ورثہ و
تفسیر مظہری صفحہ جلد اول و تفسیر بیضاوی صفحہ جلد اول)
تو ثابت ہوا کہ ان آیات میں اجتماع مراد نہیں ہے۔ باوجود اس کے شاہ
عبدالقادرؒ و شاہ رفیع الدینؒ نے ان آیات میں "و" کا ترجمہ "اور" کیا ہے تو منکرین کے
ان کے کلاموں میں "اور" کے معنی "یا" کے ہوں ورنہ دونوں کے ترجمے غلط ٹھہریں گے
اسی طرح آتش کے اس شعر میں ؎
مہماں ہوں میں جگہ دیں مجھے تکلیف کریں
اس کے اصحاب یسار اور یمین تھوڑی سی
کا اجتماع مراد نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے۔ ایسا ہی اور بہت جگہوں میں ہے۔
اسی طرح نواب صاحبؒ کے کلام میں بھی یہاں "اور" کے معنی "یا" کے مراد نہیں
اس کی دلیل یہ ہے کہ نواب صاحبؒ کی اور کتابوں میں جو ان کی خاص تصنیفات ہیں۔

حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(جیسے مسک الختام و بدور الاہلہ وغیرہ) ان میں صاف موجود ہے کہ رنگ و بو و مزہ میں سے ایک کے بدل جانے سے بھی پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ (دیکھو مسک الختام مطبوعہ مطبع نظامی ص۱، ص۱۱، ص۱۹ جلد اول و بدور الاہلہ مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال ص۲۱-۲۲ والروضۃ الندیہ شرح درر بہیہ مطبوعہ مصر ص۲)

اور یہ مذہب صرف اکیلے نواب صاحب ہی کا نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ جن کا مصلی مکہ معظمہ میں قائم ہے اور خود مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہیں ان کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہؓ اور حضرت میمونہ اور حضرت امام حسن اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت حذیفہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت حسن بصری اور زہری اور سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر اور قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق اور عکرمہ اور جابر بن زید اور ابن ابی لیلیٰ اور سفیان ثوری اور اوزاعی اور لیث بن سعد اور بخاری و دیگر تابعین و مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت ابراہیم نخعی جو امام ابوحنیفہ کے استاذ الاستاذ ہیں ان کا بھی یہی مذہب ہے اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے بلکہ بعض محققین احناف و شوافع (جیسے مولانا بحر العلوم لکھنویؒ و مولانا ابوالحسنات

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ) واضح ہو کہ یہ صرف اس امر کی توجیہ مذکور ہوئی ہے کہ اس ترجمہ کو غلط نہیں کہہ سکتے۔ اس کی بھی تصحیح ہو سکتی ہے ورنہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہاں پر ترجمہ میں بجائے "اور" کے "یا" کا لفظ ہوتا تو مطلب بہت صاف اور واضح ہو جاتا اور قرائن خارجیہ کے وسیلہ سے مطلب نکالنے کی حاجت نہ پڑتی جیسا کہ نواب صاحب کی اور کتابوں کی عبارتوں میں جو اس مسئلہ کے بیان میں مرقوم ہوئی ہیں، بوجہ صاف اور واضح ہونے کے اس کی حاجت نہیں پڑتی اور ہماری دانست میں یہ ترجمہ بالقصد نہیں لکھا گیا ہے کیونکہ ایسے ناصاف ترجمہ کے بالقصد لکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے غالباً کاتب کا سہو ہے۔

محمد عبدالحی لکھنوی سلمہ اللہ تعالیٰ وحضرت امام محمد غزالیؒ نے بھی اسی مذہب کو قوی اور مرجح فرمایا ہے۔ (دیکھو ہدایہ مطبوعہ مصطفائی ص۱۸ جلد اول وصحیح بخاری مع قسطلانی مطبوعہ نولکشور ص۲۴۶، ص۲۴۷ جلد اول و فتح الباری مطبوعہ دہلی ص۱۸۱، ص۱۸۳ جلد اول ونیل الاوطار مطبوعہ مصر ص۲۹ جلد اول وسیرت احمدیہ وطریقہ محمدیہ مطبوعہ مصنفہ شیخ محمد آفندی برکلی رومی حنفیؒ ص۲۰۸، ص۲۰۹ وارکان اربعہ مصنفہ مولانا بحرالعلوم لکھنوی حنفیؒ ص۵۰، ص۵۲ والتعلیق الممجد علی موطا الامام محمد مصنفہ مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی حنفی سلمہ اللہ تعالیٰ مطبوعہ مطبع مصطفائی ص۶۷ وعمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ مصنفہ ایضاً مطبوعہ انوار محمدی ص۹۳)

اور واضح رہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی اس سے چنداں برخلاف نہیں ہے کیونکہ آپ کا مذہب یہ ہے کہ

"جس پانی میں نجاست پڑ جائے۔ اس کی نجاست اور طہارت میں مبتلیٰ بہٖ (یعنی پانی کے حاجت مند) کی اٹکل معتبر ہے۔ یعنی اٹکل سے دریافت کرے کہ ادھر کی نجاست ادھر پہنچی ہے یا نہیں۔ تو جس کی اٹکل میں آئے کہ نہیں پہنچی اس کے واسطے وہ پانی پاک ہے اس سے وضو وغسل و نماز سب جائز ہے اور جس کی اٹکل میں آئے کہ پہنچی ہے اس کے واسطے ناپاک ہے۔"

(دیکھو فتح القدیر مطبوعہ نولکشور ص۳۱، ص۳۲ جلد اول و درمختار مع شامی مطبوعہ دہلی ص۔ جلد اول و غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار مطبوعہ نولکشور ص۹۵ جلد اول و نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ مطبوعہ مطبع نظامی ص۵ جلد اول)

تو اب تو فریقین مذہبوں میں اسی قدر ہوا کہ اول میں اٹکل دوڑانا نہیں ہے صرف رنگ یا بو یا مزہ دریافت کرلینا ہوتا ہے اور دوسرے میں اٹکل دوڑانے

کی ضرورت ہے۔ تو اب اگر ایک پانی کو جس میں نجاست پڑ گئی ہے اور پانی کتنا ہی ہو لیکن رنگ یا بو یا مزہ نہیں بدلا ہے کوئی استعمال میں لائے تو دوسرا آدمی جو اس کو اپنی اٹکل سے ناپاک سمجھتا ہے پہلے آدمی پر کچھ اعتراض نہیں کر سکتا اور نہ کچھ الزام دے سکتا ہے کیونکہ وہ پہلا آدمی کہہ سکتا ہے کہ ہماری اٹکل میں یہ پانی پاک ہے تو اب اس باب میں ایک دوسرے سے نزاع نہیں کر سکتا اور دونوں مذہبوں سے گویا خلاف اٹھ گیا ہے اور صرف ایک طرح کی نزاع رہ گئی ہے۔ اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ دونوں مذہب ایک دوسرے سے چنداں برخلاف نہیں ہیں۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ جو ہم نے امام ابوحنیفہ کا مذہب بیان کیا ہے احناف کے اکثر کتب معتبرہ مذہبی کے مطابق بیان کیا ہے لیکن اس مذہب کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ممدوح کے مذہب میں پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔ اسی طرح زمین اور کپڑے اور بدن کا حال ہے کہ ان کو بھی کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ (دیکھو مسند امام اعظم مطبوعہ صفحہ ۱۰۳)

اور نیز واضح رہے کہ جو متاخرین احناف میں دہ در دہ کا مسئلہ مشہور ہے کہ جب پانی دہ در دہ ہو اور اس میں نجاست کتنی ہی پڑ جاوے تو ناپاک نہیں ہوتا، جب تک کہ رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے اور اس سے کم ہو تو ناپاک ہو جاتا ہے۔ اصل مذہب احناف میں اس مسئلہ کی کچھ اصل نہیں ہے نہ امام ابوحنیفہؒ سے یہ قول منقول ہے نہ ان کے شاگردوں سے۔ ہاں امام محمدؒ کا پہلے یہ مذہب تھا، پیچھے وہ بھی اس مذہب سے پھر گئے اور امام صاحبؒ سے متفق الرائے ہو گئے (دیکھو فتح القدیر ابن ہمام مطبوعہ نولکشور صفحہ ۳۲ جلد اول و درمختار مع شامی مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۲۵ جلد اول و غایۃ الاوطار مطبوعہ نولکشور صفحہ ۹۵ و نور الہدایہ مطبوعہ نظامی صفحہ ۵)

و با این ہمہ یہ قول بھی اول مذہب سے چنداں مخالف نہیں ہے کیوں کہ

جس طرح مثلاً ایک گھڑا پانی جس میں ایک تولہ پیشاب پڑ جاوے جس سے رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے، بنا بر اول مذہب کے پاک ہے اور بدل جائے تو ناپاک ہے اسی طرح حوض دہ در دہ جس میں سو گھڑا پانی ہو اس میں سو تولہ پیشاب پڑ جائے اور رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے، بنا بر اس قول کے پاک ہے اور بدل جائے تو ناپاک۔ تو اب حساب دونوں کا یکساں ہو گیا۔ یعنی مثلاً فی گھڑے پانی میں ایک تولہ پیشاب پڑنے سے دونوں قولوں پر پانی پاک رہا ناپاک نہ ہوا۔ تو خوب ظاہر ہوا کہ ان دونوں قولوں میں چنداں تفاوت نہ رہا اور یہی ہم نے کہا تھا۔

اب ہم پانی کے متعلق چند مسئلے کتب معتبرہ احناف سے معترض نقل میں لاتے ہیں جس سے بخوبی ظاہر ہو جاوے کہ ان لوگوں کو اس طرح کے مسائل میں دوسروں پر طعن کرنا نہیں پہنچتا ہے ورنہ خود انہیں کے مذہب پر یہ طعن عائد ہو جاتا ہے۔

مسئلہ[۱]: فتاویٰ عالمگیری کے صفحہ ۲۹ جلد اول میں مرقوم ہے کہ:۔

"جس چھت پر جا بجا گوبر پڑا ہو اور اس پر مینہ کا پانی اس قدر پڑے کہ موری سے بہ چلے اور وہ گو عین موری پر نہ ہو تو وہ پانی پاک ہے، جب تک رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے۔"

مسئلہ[۲]: درمختار مع شامی مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۱۲۵ جلد اول و فتاویٰ عالمگیری کے صفحہ ۲۳ جلد اول میں مرقوم ہے کہ:۔

"وضو میں استعمال کیا ہوا پانی (جو ان کے یہاں ناپاک اور نجاست غلیظہ ہے) اگر کسی نالی یا نل میں بہا دیا جائے اور دوسری طرف کسی برتن میں جمع کیا جاوے تو وہ پانی پاک ہے۔ اس سے پھر دوسرا آدمی وضو کرے تو درست ہے۔ اور اگر اسی دوبارہ وضو کیے ہوئے پانی کو پھر بطور مذکور بہا کر کسی برتن میں جمع کریں تو وہ پانی بھی پاک ہے۔

اس سے کوئی تیسرا آدمی وضو کرے تو درست ہے۔ اسی طرح جب تک اس پانی سے وضو کرتا اور بہا کر برتن میں جمع کرتا جاوے، پاک ہوتا رہے گا اور اس سے وضو درست ہوگا۔

مسئلہ۳: درمختار مع شامی کے ص۱۲۶ جلد اول میں مرقوم ہے کہ:

"اگر پانی میں کوئی پیشاب کردے (چاہے پانی کتنا ہی ہو) اور بہا دیا جاوے اور رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے تو وہ پانی پاک ہے۔"

مسئلہ۴: شامی کے ص۱۲۵ جلد اول میں مرقوم ہے کہ:

"دو گھڑے ہیں، ایک میں پانی پاک ہے اور دوسرے میں ناپاک اگر دونوں پانی اوپر سے گرا دیے جاویں اور ہوا میں ملے ہوئے زمین پر پہنچیں یا زمین ہی پر بہائے جاویں تو وہ دونوں پانی پاک ہیں۔"

مسئلہ۵: شامی کے صفحہ مذکور میں مرقوم ہے کہ:

"زمین کو اگر نجاست پہنچ جائے اور اس پر پانی گرا دیا جائے اور بقدر ایک ہاتھ کے بہ چلے تو پانی اور زمین دونوں پاک ہیں۔"

اس طرح کے اور بہت سے مسائل ہیں۔ نمونہ کے طور پر اس قدر کافی ہیں۔ رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار کو چاہیئے کہ انصاف کریں اور بے انصافی چھوڑیں اور اس طرح کا طعن کر کے اپنے مذہب کو بدنام نہ کریں۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ جو ہمارے استاد جناب مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی نے اس رسالہ پر مہر کی ہے تو اس کے سب مسائل کو تسلیم کر کے مہر نہیں لگائی ہے بلکہ اس پر یہ عبارت ہے:

"اگرچہ قوت و ضعف سے کوئی کتاب فقہ کی خالی نہیں ہوتی تاہم بعض کتاب پر باعتبار صحیح ہونے اکثر مسائل کے ترجیح رکھتی ہے۔ پس اسی طرح

یہ رسالہ بھی واسطے طالب صادق کے باعتبار صحیح ہونے اکثر اور بیشتر
مسائل کے لائق عمل اور اعتماد کے ہے"

لکھ کر مہر کی ہے۔ جس سے صاف ثابت ہے کہ رسالۂ مذکور کے بعض مسائل ضعیف بھی ہیں۔ اور وہ ان کے نزدیک لائق عمل اور اعتماد کے نہیں ہیں۔

اور نیز واضح رہے کہ بالخصوص یہ مسئلہ مندرجہ رسالہ مولانا ممدوح کے نزدیک مسلّم نہیں ہے۔ کیونکہ ایک فتوے مولانا ممدوح کا جو ۱۲۹۰ھ میں مطبع حنفی دہلی میں طبع ہوکر مشتہر ہوچکا ہے۔ اس کے چوتھے سوال (جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک لوٹا پانی میں ایک بوند پیشاب کی پڑ جائے تو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟) کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"وہ پانی بلاریب ناپاک ہے اور اس کی ناپاکی میں کچھ شک نہیں"

اور اپنی کتاب معیار الحق میں پانی کی بہت طویل بحث لکھی ہے۔ اس کے ص۱۵۷ میں یہ عبارت مرقوم ہے کہ:۔

"پاکی اس پانی کی جو قُلّتَین سے —— ثابت نہ ہوئی"

دُوسرا مسئلہ: اس رسالہ میں جو اہلِ حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک لڑکے شیرخوار کا پیشاب پاک ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی کتاب کے ص۸ میں مذکور ہے۔

جواب: اس مسئلہ کا انتساب بھی اہلِ حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ان پر اتہام بے جا ہے اور کتاب "طریقہ محمدیہ" کے ص۸ کی عبارت سے بھی لڑکے شیرخوار کے پیشاب کا پاک ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ اصل کتاب (درر بہیّہ) میں لڑکے شیرخوار کے پیشاب کا استثنا واقع ہوا ہے اور استثنا ہیں من جملہ کئی مذہبوں کے ایک مذہب یہ ہے کہ مستثنیٰ حکم مسکوت عنہ میں ہوتا ہے۔ یعنی اس پر کوئی

حکم اثباتاً یا نفیاً نہیں ہوتا اور یہی مذہب احناف کا ہے۔ (دیکھو نور الانوار ص۲۴۳ و توضیح و تلویح مطبوعہ نولکشور ص۳۳۶ و ص۳۳۸) بلکہ تحقیق یہ ہے کہ یہی مذہب سب کا ہے اور اختلاف اس میں گویا اختلاف لفظی ہے تو اس صورت میں بہت ظاہر ہے کہ عبارت مذکورہ سے لڑکے شیرخوار کے پیشاب کا پاک ہونا ہرگز نہیں نکلتا۔ ہاں نواب صاحب بموجب حدیث شریف کے لڑکے شیرخوار کے پیشاب پر پانی چھڑکنے کے قائل ہیں چنانچہ انہوں نے الروضۃ الندیہ شرح درر بہیہ مطبوعہ مصر ص۱ و مسک الختام مطبوعہ نظامی ص۴ میں اس کی تصریح کر دی ہے۔

اور یہ ایک بیّن دلیل ہے اس بات کی کہ نواب صاحب لڑکے شیرخوار کے پیشاب کو پاک نہیں جانتے ورنہ اس پر پانی چھڑکنے کے کیوں قائل ہوتے۔

اور یہ مذہب (یعنی شیرخوار لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکنا) صرف نواب صاحب ہی کا مذہب نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل رح جن کا مصلّٰی مکہ معظمہ میں قائم ہے ان کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضؓ اور حضرت ام سلمہ رضؓ اور عطاء بن رباح اور حسن بصری اور زہری اور سفیان ثوری اور اوزاعی اور اسحٰق بن راہویہ اور ابن وہب مالکی اور ایک جماعت سلف اور اہل مدینہ طیبہ اور اہل حدیث رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور حضرت امام نخعی رح جو امام ابوحنیفہؒ کے استاذ الاستاذ ہیں ان کا بھی یہی مذہب ہے اور ایک روایت میں امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے (دیکھو حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی ص۱۹۱ و قسطلانی مطبوعہ نولکشور ص۲۳۹ جلد اول و فتح الباری مطبوعہ دہلی ص۱۶۳ جلد اول و نووی شرح صحیح مسلم مطبوعہ نولکشور ص۱۳۹ جلد اول و جامع ترمذی مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ ص۱۲ جلد اول و نیل الاوطار مطبوعہ مصر ص۴ جلد اول و التعلیق الممجد مطبوعہ مطبع مصطفائی ص۶۴)

تیسرا مسئلہ: جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے

یہ ہے کہ ان کے نزدیک وضو میں بجائے پاؤں دھونے کے مسح فرض ہے اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ فتاوے ابراہیمیہ مصنفہ مولوی محمد ابراہیم غیر مقلد کے صفحہ ۲ میں جو مطبوعہ مطبع دہرم پرکاشس الٰہ آباد ہے درج ہے۔

جواب: اس مسئلہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ان پر اتہام بے جا ہے۔ ہم نے اہلِ حدیث کی کسی کتاب میں یہ مسئلہ لکھا نہیں دیکھا ہے اہلِ حدیث کی کتابیں جہاں تک ہماری نظر سے گزریں سب میں یہی لکھا دیکھا کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ ہاں اہلِ حدیث کے نزدیک جس صورت میں پاؤں میں موزہ ہو تو مسافر کے واسطے تین رات دن تک اور مقیم کے واسطے ایک رات دن تک بجائے پاؤں دھونے کے موزے پر مسح کر لینا جائز ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی فرقہ اہلِ سنت کو خلاف نہیں ہے سب کا اس پر اتفاق ہے یہاں تک کہ یہ مسئلہ اہلِ سنت کی علامت ٹھہر گیا اور ان کے عقائد کی کتابوں میں مندرج ہو گیا ہے اور یہ امر ایسا ظاہر ہے کہ اس میں کتابوں کے حوالے دینے کی ضرورت نہیں۔ ایک ادنیٰ طالب علم بھی جس نے صرف مختصراتِ فقہ و عقائد پڑھی ہو گی، جانتا ہے۔ اور فتاوے ابراہیمیہ کو ہم نے نہیں دیکھا ہے اور نہ ہم جانتے ہیں کہ وہ کیسی کتاب ہے اور نہ اس کے مصنفؒ کے حال سے واقف ہیں مجیب صاحب کو چاہیئے کہ اصل کتاب کا معائنہ کرا دیں۔

چوتھا مسئلہ: اس رسالہ میں جو اہلِ حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک پیشاب کے بعد پانی وغیرہ سے استنجا کرنا بدعت ہے اور بدعت ان کے نزدیک ایسا فعل ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا ہو اور ہر بدعتی ان کے نزدیک دوزخی ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ کتاب اعتصام السنہ کے صفحہ ۱۹، صفحہ ۲۱، صفحہ ۳۵ میں اس کی تصریح ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ استنجا کرنے سے ان

کے نزدیک ددزخی ہوتا ہے۔

جواب: اس مسئلہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ اور مصنف اعتصام السنہ نے صفحہ ۱۹ میں یہ لکھا ہے کہ:۔

"نہ ثابت ہوا استنجا پتھر اور پانی کا واسطے پیشاب مرد اور عورت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

اور اس کلام سے مقصود صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگوں میں یہ دستور جاری ہے کہ پیشاب کے بعد پہلے پتھر یا ڈھیلے سے استنجا کرتے ہیں پھر پانی سے کرتے ہیں اس طرح دونوں کا جمع کرنا پیشاب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوا اور یہ مقصود نہیں کہ بعد پیشاب کے استنجا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلقاً ثابت نہیں ہوا اور اصل غرض اس کلام سے بیان کرنا ہے فرق کا درمیان دونوں استنجاؤں کے یعنی استنجا بعد پائخانہ و استنجا بعد پیشاب کے کہ اول میں پتھر اور پانی دونوں کا جمع کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے بخلاف دوسرے کے کہ اس میں دونوں کا جمع کرنا جیسا کہ اکثر دستور جاری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوا۔

اور یہ مطلب نہیں کہ استنجا بعد پیشاب کے صرف پانی یا صرف پتھر سے بھی ثابت نہیں ہوا اور جو ہم نے اس کلام کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔ اس کی کئی وجہیں ہیں:۔

ایک یہ کہ اس کلام کا یہ مطلب ہو سکتا ہے بلکہ یہی ظاہر ہے گو دوسرے مطلب کا بھی احتمال ہو اور جب ایک کلام کے کئی مطلب ہو سکتے ہوں تو اس کا وہی مطلب کہنا مناسب ہے جو اچھا ہو۔

دوم یہ کہ اس کے مصنف کا حال ہم نے اس کے دیکھنے والوں سے بہت سنا ہے اور جس قدر سنا ہے اس سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ یہ شخص اتباع میں ایک

بے لاگ آدمی تھا۔ اور یہ ایک پرزور قرینہ ہے اس بات کا کہ اس کے کلام کا وہی مطلب ہو جو سنت کے برخلاف نہ ہو والعلم عند اللہ۔ اور اس کی نظیر یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اشعار کو[1] مکروہ اور بدعت فرمایا ہے۔ حالانکہ اشعار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور بالاتفاق سب کے نزدیک یہ عمل بہتر ہے تو علمائے احناف بالانصاف نے آپ کے اس کلام کے ایسے ہی مطلب بیان کیے ہیں جن سے آپ کا یہ کلام سنت کے برخلاف نہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی مراد اشعار سے آپ کے زمانے کے لوگوں کا اشعار ہے کہ وہ لوگ اس میں اس قدر مبالغہ کرتے تھے جس کے قربانی کے جانور کے ہلاک ہو جانے کا خوف ہو جاتا تھا تو آپ نے اس طرح کے اشعار کو مکروہ اور بدعت فرمایا ہے نہ مطلق اشعار کو (دیکھو ہدایہ مطبوعہ مصطفائی ص۲۴۲ جلد اول و شامی مطبوعہ دہلی ص۱۹۷ جلد ۲ و نور الہدایہ مطبوعہ نظامی ص۲۳۰ و ص۲۳۱ و نووی شرح صحیح مسلم مطبوعہ نولکشور ص۴۰۷ جلد اول) اور اس کی نظیریں اور بہت سی ہیں۔

اور نور الانوار میں مرقوم ہے کہ :۔

"عاقل بالغ کے کلام کے ایسے ہی معنے کہنے چاہیئے جس سے وہ صحیح ہو جائے اور باطل اور بیکار نہ ہو جائے" (دیکھو ص۱۰۳)

سوم : یہ کہ ہم نے اس کے تعلیم یافتہ لوگوں کو بچشم خود دیکھا ہے کہ پیشاب کے بعد ڈھیلے یا پانی سے ضرور استنجا کرتے ہیں اور یہ بھی ایک ظاہر قرینہ ہے اس امر کا کہ اس کے کلام کا وہی مطلب ہے جو ہم نے کہا ہے۔

اور اگر بالفرض اس کے کلام کا وہ مطلب نہیں ہے جو ہم نے کہا ہے بلکہ اس کو

---

[1] اشعار کے معنے ہیں نشان کر دینا اور یہاں اس سے مراد ہے حج یا عمرے میں نیاز کے اونٹ کا کوہان کسی قدر چیر دینا کہ خون ظاہر ہو جائے تاکہ معلوم ہو کہ نیاز کا جانور ہے۔

پیشاب کے بعد استنجا کرنے کے ثبوت سے مطلقاً انکار ہے تو یہ اس کی ایک چوک ہے اور احادیث صحیحہ سے جو اس باب میں مروی ہیں غفلت اور نسیان ہے۔ (دیکھو نیل الاوطار مطبوعہ مصر ص۹۷ جلد اول و تخریج ہدایہ زیلعی مطبوعہ مطبع علوی ص۱۱۲ جلد ۱)

اور اس طرح کی بھول چوک بڑے بڑے اکابر سے ہوتی آئی ہے لیکن اس سے نہ کوئی بدعتی ہوا، نہ اہل سنت سے خارج تو اگر مصنف اعتصام السنہ سے بھی اس طرح کی بھول چوک وتورع میں آگئی تو کیا جائے تعجب ہے اور کیوں اس سے وہ بدعتی بنایا جاتا ہے اور اہل سنت سے خارج کیا جاتا ہے۔ دیکھو امام مالکؒ اور بہت علمائے سلف نے شش عید کے روزے کو نہ مانا اور اس کے ثبوت سے انکار کیا بلکہ اس کے بدعت ہونے کا خوف کیا۔ (دیکھو مؤطا امام مالک مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص۹۸ و نیل الاوطار مطبوعہ مصر ص۱۲ جلد ۴) حالانکہ اس باب میں بہت احادیث صحیحہ کتب صحاح میں مروی و موجود ہیں۔

اسی طرح امام مالکؒ اور عبداللہ بن عمرؓ نے مقیم کے لیے موزوں پر مسح کے ثبوت سے انکار کیا (دیکھو مؤطا امام محمد مطبوعہ مطبع مصطفائی ص۶۹ و قسطلانی ص۲۲۷ ج۱)

اسی طرح امام مالکؒ نے پانی سے استنجا کرنے کو بالکل نہ مانا اور اس کے ثبوت سے (خواہ پیشاب کے بعد ہو یا پاخانہ کے بعد) مطلقاً انکار کیا۔ (دیکھو نیل الاوطار ص۹۶ جلد اول و قسطلانی ص۱۹۵ جلد اول)

اسی طرح حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے جُنُب کے لیے تیمم کا جائز ہونا تسلیم نہیں کیا (دیکھو تخریج ہدایہ زیلعی ص۸۱ جلد اول و قسطلانی ص۳۰۹ جلد اول) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت کی میراث دلانے سے انکار کیا جس کا شوہر بعد خلوت اور قبل تعیین مہر کے مر گیا (دیکھو نورالانوار ص۱۸۱) حالانکہ ان سب ابواب میں احادیث صحیحہ کتب صحاح ستہ وغیرہ میں مروی و موجود ہیں تو اگر

اس طرح کی بھول چوک سے حسب الحکم رسالہ دار اور اس کے اعوان وانصار کے آدمی بدعتی اور اہل سنت سے خارج ہو جایا کرے تو معاذ اللہ یہ سب اکابر دین ان کے نزدیک کیا ٹھہریں گے ؟

اور جو مصنف اعتصام السنہ نے ص۲ میں بدعت کی تعریف کی ہے کہ:

"بدعت وہ چیز ہے کہ نہ تھی زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں"

اس میں اس سے ایک قید "بلا دلیل شرعی" چھوٹ گئی ہے ، مراد یہ ہے کہ جو چیز نہ تھی زمانہ رسول اللہ میں بلکہ حادث ہوئی بعد زمانہ رسول اللہ کے بلا دلیل شرعی وہ چیز بدعت ہے ۔ چنانچہ مولانا عبدالغنی نابلسی دمشقی حنفیؒ کی تعریف میں :

کہ "بدعت وہ چیز ہے کہ حادث ہوئی بعد زمانہ صحابہ وتابعین و تبع تابعین کے "

یہی قید بعینہٖ چھوٹ گئی ہے (دیکھو اقامۃ الحجہ مطبوعہ مصطفائی ص۹،۴)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف اعتصام السنہ کی مراد اس جگہ "بدعت" سے بدعت لغوی ہو جو بمعنی عام ہے نہ بدعتِ شرعی چنانچہ اقامۃ الحجہ ص۹،۴ میں بدعت لغوی کی بعینہٖ یہی تعریف کی ہے ـــــــ اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے قول "نعمت البدعۃ ہٰذہٖ" کو اس کے ثبوت میں مصنف مذکور نے پیش کیا ہے اور اس قول میں بدعت سے قطعاً بدعت لغوی مراد ہے نہ بدعتِ شرعی ۔

اور ہمارے نزدیک بدعت شرعی و سنت کی تعریف یہ ہے کہ جو بات دلیل شرعی یعنی قرآن وحدیث سے ثابت ہو وہ سنت ہے اور وہی دین کی بات ہے اور جو بات دلیل شرعی کے برخلاف ہو وہ بدعتِ شرعی ہے خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حادث ہوئی ہو یا بعد اس کے ۔

اور جو رسالہ دار نے لکھا ہے کہ :

"خلاصہ یہ ہوا کہ استنجا کرنے سے ان کے نزدیک دوزخی ہوتا ہے"
ایک بڑی مغالطہ کی بات ہے اور اس طرح کا خلاصہ نکال کر کسی پر اعتراض کرنا، محض بے جا اور ناجائز ہے۔ بھلا اگر اس طرح کا خلاصہ نکال کر بحذف قیود حسب تجویز رسالہ دار کسی پر اعتراض کرنا جائز ہو تو کون فرقہ اہل سنت اس تجویز سے دوزخی ہونے سے بچ سکتا ہے۔ مثلاً کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ خطبہ پڑھنا قبل نماز کے عیدین میں اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جمعہ کے خطبہ میں اور "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنا ظہر یا عصر میں احناف کے نزدیک بدعت ہے (دیکھو اقامۃ الحجہ مطبوعہ مصطفائی ص۵) اور ہر بدعتی ان کے نزدیک دوزخی ہے (دیکھو جامع الشواہد ص۵،۴) خلاصہ یہ ہوا کہ خطبہ پڑھنے اور دعا مانگنے اور الصلوٰۃ خیر من النوم کہنے سے ان کے نزدیک دوزخی ہوتا ہے۔

اور بھی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ پکار کر آمین کہنا اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار کے نزدیک بدعت ہے۔ (دیکھو جامع الشواہد ص۱) اور ہر بدعتی ان کے نزدیک دوزخی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ آمین کہنے اور نماز میں ہاتھ باندھنے اور الحمد پڑھنے سے ان کے نزدیک دوزخی ہوتا ہے۔

اسی طرح لاکھوں خلاصے نکال کر ہر ایک فرقے کو آدمی دوزخی بنا سکتا ہے نعوذ باللہ من امثال ھذہ الخرافات

پانچواں مسئلہ جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک جو کوئی شخص اپنی بی بی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس کی نماز بغیر غسل کے درست ہے اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ کتاب ایت قلوب قاسیہ رد گلزار آسیہ تصنیف مولوی محمد سعید نو مسلم شاگرد مولوی نذیر حسین صاحب

کے ص۳۶ میں موجود ہے۔

جواب: اس مسئلہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے محض اتہام بے جا ہے اور کتاب ہدایت قلوب قاسیہ میں یہ ہرگز نہیں ہے۔ مجیب صاحب کو چاہیئے کہ کتاب مذکور میں دکھلا دیویں۔ مصنف کتاب مذکور نے تو صفحہ مذکور میں اس اتہام کو اہل حدیث سے اٹھایا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ:۔

"ہم لوگوں پر افترا ہے۔ ہمارے نزدیک تو غیبوبت حشفہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔"

تعجب ہے کہ اس قدر صاف اور صریح انکار پر بھی اتہام بے جا سے باز نہیں آتے اور طرفہ یہ کہ اسی کتاب پر حوالہ دیئے جاتے ہیں۔ جس میں اس صفائی کے ساتھ انکار موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بے انصافی اور بے باکی ہوگی ——— بلکہ مصنف "ہدایت قلوب قاسیہ" نے تو اس طرح کے چند مسئلے احناف ہی کی طرف منسوب کیے ہیں، چنانچہ ایک مسئلہ یہ لکھا ہے کہ:۔

"چارپایہ مثل گائے بکری وغیرہ اور عورت صغیرہ اور عورت مردہ کے ساتھ جماع کرنے سے بغیر انزال کے ان کے یہاں غسل نہیں آتا۔"

اور فی الواقع یہ مسئلہ کتب معتبرہ احناف میں موجود ہے۔ بلکہ ان میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"عورت صغیرہ و مردہ و چہار پایہ کے ساتھ جماع کرنے سے بغیر انزال کے وضو بھی نہیں ٹوٹتا اور روزہ بھی نہیں جاتا بلکہ آلہ کا دھونا بھی لازم نہیں آتا۔ اسی طرح نماز پڑھ لینا جائز ہے کیونکہ عورت کی شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے۔" (دیکھو درمختار مع شامی مطبوعہ دہلی ص۱۱۲ جلد ۱ و ص۱۰۴/۱۰۱ جلد دوم۔ و غایۃ الاوطار مطبوعہ نولکشور ص ۸۳، ۵۱۲، ۵۱۵ جلد اول)

چھٹا مسئلہ: جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک تیرہ رکعت سے زیادہ نفل پڑھنا اور تہائی رات سے زیادہ عبادت میں جاگنا بدعت مذمومہ ہے اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ کتاب معیار الحق کے ص۲۲ میں مذکور ہے۔ خلاصہ یہ کہ اکثر شب یا ثلث شب سے زیادہ عبادت کرنا جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام اور اولیائے عظام مثل غوث اعظم حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی وغیرہ سے ثابت ہے، ان کے نزدیک گناہ ہے۔

جواب: اس مسئلہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے اور کتاب "معیار الحق" میں ہرگز یہ نہیں ہے کہ تیرہ رکعت سے زیادہ نفل پڑھنا مطلقاً بدعت مذمومہ ہے اس میں صرف یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں کبھی شب کو تیرہ رکعت سے زیادہ نفل نہیں پڑھی اور یہ بہت ٹھیک بات ہے، احادیث صحیحہ سے اسی طرح ثابت ہے (دیکھو مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۱۰۸ و قسطلانی شرح صحیح بخاری مطبوعہ نولکشور ص ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۷۵ جلد دوم و جامع ترمذی مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ ص۶۱ جلد اول و غنیۃ الطالبین مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی ص ۵۳، ۵۴، ۵۷ و موطا امام مالک مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص۴۲، ۴۳ و موطا امام محمد مع التعلیق الممجد مطبوعہ مطبع مصطفائی ص ۱۱۷، ۱۲۰ و حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی ص۱۴۲ و مسند امام اعظم مطبوعہ ص۱۲۵ و تفسیر عزیزی پارہ تبارک الذی مطبوعہ ص۲۴۲) اس سے (بانضمام دیگر احادیث کے) صرف شب کو تیرہ رکعت سے زیادہ نفل پڑھنے کا بدعت ہونا ثابت ہوتا ہے نہ یہ کہ اس سے مطلقاً تیرہ رکعت سے زیادہ نفل پڑھنا بدعت نکلتا ہے۔

اور اس پر بھی اعتراض کرنا محض بے جا ہے اس لیے کہ کتب معتبرۂ احناف میں بلا خلاف یہ لکھا ہے کہ:

"نفل پڑھنا قبل نمازِ عید کے عیدگاہ میں مکروہ و ناجائز ہے۔ اسی طرح بعد طلوعِ فجر کے دو رکعت سے زیادہ نفل پڑھنا اور دن کو چار رکعت سے زیادہ اور رات کو آٹھ رکعت سے زیادہ ایک سلام سے نفل پڑھنا مکروہ و ناجائز ہے"

اور ان سب کی دلیل یہی لکھی ہے کہ :

"حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نمازیں نہیں پڑھیں باوجودیکہ آپ نماز پر حریص تھے۔ اگر ان کا پڑھنا جائز ہوتا تو کبھی نہ کبھی آپ بیانِ جواز کے لیے ضرور پڑھ لیتے" (دیکھو ہدایہ مطبوعہ مصطفائی ص۸۷، ۱۵۲ جلد ۱ و فتح القدیر مطبوعہ نولکشور ص۲۹۶ جلد اول و شامی مطبوعہ دہلی ص۴۵۴ جلد ۱ و عینی علی الہدایہ ص۸ جلد اول)

یہی دلیل بعینہٖ یہاں بھی جاری ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شب کو تیرہ رکعت سے زیادہ نفل نہیں پڑھی اور اگر زیادہ پڑھنا جائز ہوتا تو بیانِ جواز کے لیے کبھی نہ کبھی ضرور پڑھ لیتے ______ اور جب شب کو تیرہ رکعت سے زیادہ نفل پڑھنا مکروہ اور ناجائز اور خلاف سنت ثابت ہوا تو اس کے بدعت ہونے میں کیا شک رہا۔ یہیں سے کہا ہے جس نے کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے ؎

بہ زہد و ورع کوش و صدق و صفا   ولیکن میفزائے بر مصطفٰی

اور واضح رہے کہ معیار الحق میں تو شب کو تیرہ رکعت تک نفل پڑھنا ثابت کیا ہے اور احادیثِ صحیحہ سے اسی طرح ثابت ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا لیکن کتب فقہیہ معتبرہ احناف میں تو زیادہ سے زیادہ آٹھ ہی رکعت تک لکھا ہے اس سے زیادہ نہیں (دیکھو درمختار مع شامی مطبوعہ دہلی ص۲۶ جلد اول و غایۃ الاوطار، مطبوعہ نولکشور ص۳۱۰ جلد اول و فتاویٰ عالمگیری ص۲۱۵ جلد اول)

اور جو معیار الحق میں تہائی رات جاگنے اور دو تہائی سونے کو لکھا ہے یہ بھی قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار مطبوعہ نولکشور میں لکھا ہے کہ:

"بہتر یہ ہے کہ رات کے چھ حصے کرے۔ پہلے تین حصے میں سوئے اور چوتھے اور پانچویں میں جاگے اور چھٹے میں سوئے کیونکہ صحیحین میں مروی ہے کہ اللہ کو سب نمازوں سے محبوب حضرت داؤدؑ کی نماز ہے کہ وہ آدھی رات سوتے پھر تہائی رات جاگتے پھر چھٹا حصہ سوتے۔ اور لکھا ہے کہ اسی طرح حلیہ میں ہے (دیکھو صـ۳۱۷ جلد اول)

اور صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اسود بن یزید نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز کس طرح پڑھتے تھے تو فرمایا کہ اول شب میں سو رہتے اور آخر شب میں اٹھتے پس نماز پڑھتے پھر اپنے خوابگاہ کو لوٹ جاتے اور سو رہتے پھر جب مؤذن اذان کہتا تو جھٹ پٹ اٹھتے پھر اگر نہانے کی ضرورت ہوتی تو نہا کر ورنہ وضو کر کے مسجد کو تشریف لے جاتے (دیکھو جلد دوم قسطلانی مطبوعہ نولکشور صـ۲۶۷، وغنیۃ الطالبین مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی صـ۵۲)

اور رسالہ والے نے دعوٰے تو کر دیا کہ اکثر شب یا ثلث شب سے زیادہ عبادت میں جاگنا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام اور اولیائے عظام مثل حضرت غوثِ اعظم سید عبدالقادر جیلانی وغیرہ سے ثابت ہے لیکن اس کا

ثبوت کچھ نہیں دیا۔

اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں قولاً و فعلاً ثابت ہے اس کا ذکر تو ہم ابھی غایۃ الاوطار و قسطلانی و غنیۃ الطالبین وغیرہ سے کر چکے ہیں۔

اور جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً و فعلاً ثابت ہے اس کے خلاف کی نسبت صحابہ کرامؓ کی طرف کرنی ان خاصانِ خدا کی شان میں بے ادبی کرنی

ہے اور ان کو مخالفتِ سنت کے ساتھ متہم کرنا ہے نعوذ باللہ من ذٰلک ۔

اور اگر فرضاً کسی صحابی سے کوئی بات بظاہر خلافِ سنت بسندِ صحیح ثابت ہو جائے تو اس کو کسی محملِ حسن پر محمول کرنا چاہیئے اور ان کی شان میں خلافِ سنت کام کرنے کا گمان نہ کرنا چاہیئے اور اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ہر شخص کی بات قابل لینے کے بھی ہوتی ہے اور قابل چھوڑنے کے بھی سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا کہ ہم اس کو اوپر اپنے اصولِ مذہب کے بیان میں مفصل بیان کر آئے ہیں ۔

اور جو حضرت محبوب سبحانی سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جناب ممدوح اپنی کتاب غنیۃ الطالبین مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی میں اولاً عباداتِ شاقہ اور کثرتِ عبادات بعض صالحین کی ممنوعیت بیان کر کے "ص۵" میں فرماتے ہیں کہ :۔

"صالحین کے احوال و افعال کو مت دیکھو بلکہ جو کچھ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کو دیکھو اور اسی پر اعتماد کرو تاکہ تم یگانۂ آفاق ہو جاؤ۔"

اور "ص۔۔" میں فرماتے ہیں کہ :۔

"مستحب ثلثِ شب کا قیام ہے اور کمتر مستحب چھٹے حصۂ شب کا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کسی شب کو صبح تک قیام نہیں کیا بلکہ ہر ایک شب میں سو رہتے تھے اور کسی شب کو صبح تک نہیں سوئے بلکہ قیام کرتے تھے جس طرح کہ ہم نے بیان کیا ۔"

اور یہ بھی واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے نصف شب اور قریب دو تہائی شب (بلکہ بعضوں سے تمام شب) کا بھی عبادت میں جاگنا ثابت ہے لیکن یہ سب قبل نسخ کے تھا نہ بعد نسخ کے ۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اولاً جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں تشریف رکھتے تھے تو قیام شب (یعنی شب کو عبادت میں جاگنا) آپؐ پر فرض تھا (اور بعضوں کے نزدیک امت پر بھی فرض تھا اور یہی بات صحیح ہے) اور اس میں یہ قید تھی کہ قیام دو ثلث شب یا قریب دو ثلث یا نصف شب یا ثلث شب ہو ثلث شب سے کم نہ ہو اور اس پر ایک سال تک (دیکھو قسطلانی ص ۲۹۲ جلد ۲ اور بعضوں کا قول ہے کہ دس سال یا کچھ کم و بیش تک) آپؐ نے اور آپؐ کے اصحاب نے عمل کیا اور اس کا بیان سورہ مزمل کی اس آیت:

یاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ [1]

اور اس آیت:

اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ اللَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ [2] ــــــ میں ہے۔

پھر جب حضرت مکہ شریف ہی میں تشریف رکھتے تھے (اور بعضوں کا قول ہے کہ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لائے) تو یہ قید منسوخ ہو گئی اور مطلق قیام شب کی (جس قدر بآسانی ہو سکے) فرضیت باقی رہے، بعد کو وہ بھی منسوخ ہو گئی، صرف استحباب باقی رہا اور اس کا بیان بھی اسی سورہ کی اس آیت:

فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

---

[1] اے کپڑا اوڑھنے والے (مراد اس سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) قیام کر رات کو مگر کسی رات قیام کر آدھی رات یا آدھی رات سے کم تھوڑا سا یا آدھی رات پر زیادہ کر۔

[2] بیشک تیرا رب جانتا ہے کہ تو قیام کرتا ہے دو تہائی رات کے قریب اور آدھی رات اور تہائی رات۔

اور اس آیت :-

فاقرءوا ما تیسر منه واقیموا الصلوٰة میں ہے۔

(دیکھو تفسیر مدارک و تفسیر جلالین و قسطلانی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۶۳ جلد ۲ وغیرہ)

اب اگر کوئی صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام شب یا اکثر شب کے قیام کے ثابت کرنے کا شوق کریں تو ان کو اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اس قیام کو بعد منسوخیت قید مذکور کے سندِ صحیح سے ثابت کریں ورنہ ان کو کچھ مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ قبل نسخ کے تو ہم کو بھی اکثر شب کے قیام کے ثبوت سے انکار نہیں ہے اور نہ کوئی مسلمان اس سے انکار کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ تو نصِ قرآن ہی سے ثابت ہے

اور واضح ہو کہ اصل منشا اس اتہام کا یہ ہے کہ رسالہ تنویر الحق کے مصنف نے چند عبادات شاقہ منقولہ آئندہ کی نسبت حضرت امام ابو حنیفہ رح کی طرف کی تھی اور اس کو جناب امامؒ کی مدح سمجھا تھا۔ اس پر معیار الحق میں اس جگہ یہ بیان کیا ہے کہ تمام شب ہمیشہ جاگنا اور ہر رات میں ہزار رکعت نماز پڑھنی اور ہر روز تین قرآن ختم کرنا اور ایک وضو سے عشا اور فجر کی نماز ہمیشہ پڑھنی ممنوع اور بدعت ہے۔ کیونکہ اس طرح کی عبادات شاقہ سے حضرت نے منع فرمایا ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ (پھر ان احادیث کو بیان کیا) اور ظاہر ہے کہ جس چیز سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اس کے ممنوع اور بدعت ہونے میں کیا شک رہا۔

اور نیز یہ بیان کیا ہے کہ رسالہ تنویر الحق کے مصنف نے جو اس طرح کی عبادات شاقہ ممنوعہ خلاف سنت کی نسبت امام محمد رح کی طرف کی ہے اور اس کو جناب امام کی مدح سمجھا ہے اچھا نہیں کیا۔ اس طرح کی ممنوع باتوں کی نسبت کرنی موجبِ ذم ہے نہ باعثِ مدح۔ اور جناب امام کی تو یہ شان نہیں ہے کہ ایسی تکالیف شاقہ اور بدعات کی ان کی طرف نسبت کی جاوے تو ایسی بدعات کو جناب امام کی طرف ہرگز نسبت

گرنی نہ چاہیئے کیونکہ امام صاحب لحاظ سنت کا بہت رکھتے تھے اور ثواب کثیر اتباع سنت میں ملتا ہے نہ زیادہ مشقت اٹھانے میں ؎

گر طمع خواہد زمن سلطان دین　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ تفسیر عزیزی پارہ تبارک الذی مطبوعہ کے صہ ۲۴۲ میں فرماتے ہیں:۔

"پس بخوانید آنچہ کہ آسان شود بر شما در نماز تہجد و شب بیداری از قرآن کہ اقلش دہ آیت در دو رکعت است چنانچہ در حدیث شریف وارد ست کہ رکعتان فی جوف اللیل خیر من الدنیا و ما فیہا[1] و اعلیٰ سبع قرآن در سیزدہ رکعت ست اگر وتر ہم باقی ست والا دوازدہ رکعت و بعضے تا سوم حصہ قرآن نیز جائز داشتہ اند و در حدیث شریف وارد ست کہ ہر کہ قرآن را در کمتر از سہ شب ختم کند بے فہم ولا یعقل ست زیرا کہ مقصد یکہ از تلاوت قرآن ست تدبر و تعمق در معنی آنست و در کمتر از سہ شب ایں معنی اکثر اشخاص را حاصل شدن مستبعد ست و مع ہذا ترتیل و تجوید بالکلیہ فوت میشود پس قرآن قرآن نمے ماند"

و مسند امام اعظم مطبوعہ صہ ۱۱۰ میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ:۔

"جس نے قرآن کو تین رات سے کم میں پڑھا اس نے گویا قرآن نہیں پڑھا" ـــــ اسی طرح اور بہت سی کتابوں میں ہے۔

ساتواں مسئلہ: جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک مال تجارت میں اور سوائے اونٹ گائے

[1] دو رکعت رات کے اندر بہتر ہے دنیا سے اور جو کچھ کہ دنیا میں ہے۔

بکری کے اور جانوروں میں مثل بھینس و بھیڑ کے زکوٰۃ واجب نہیں اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ طریقہ محمدیہ تصنیف صدیق حسن خان ترجمہ در رہبیہ مؤلفہ قاضی شوکانی کے ص۱۸۰، ص۱۸۱ میں مذکور ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ تجارت کے مال میں خواہ کروڑ ہا روپیہ کا ہو اور بھینس اور بھیڑ میں خواہ کروڑ ہا ہوں زکوٰۃ نہیں ہے۔

جواب: ہم مال تجارت میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں اور ہمارے استاد جناب مولانا سید نذیر حسین صاحب بھی اس کے قائل ہیں چنانچہ ایک فتوے مولانا ممدوح کا جو ۱۲۹۸ھ میں مطبع حنفی دہلی میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے اس کے پہلے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"مالِ تجارت میں زکوٰۃ دینی عند الجمہور فرض ہے اور یہی صحیح بات ہے۔"

واضح رہے کہ مسائل اختلافیہ میں بلا دلیل اپنے جی سے اس طرح کا خلاصہ نکال کر کسی پر اعتراض کرنا سخت بے جا ہے۔ کیا امام ابو حنیفہؒ کے یہاں یہ مسئلہ نہیں ہے کہ موتی اور عنبر اور جواہرات مثل یاقوت، فیروزہ، لعل، زمرد، الماس وغیرہ میں، (جو کان میں ملیں اور تجارت کے لیے نہ ہوں) اگرچہ کروڑوں روپیہ کے ہوں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح گھوڑے اور گدھے اور خچر اور بیل اور اونٹ سواری یا بار برداری میں (جو تجارت کے لیے نہ ہوں) خواہ کروڑ ہا ہوں۔ اسی طرح وہ مال جس کو خریدا پھر تجارت کی نیت کی یا گھر میں رکھنے کو مول لیا اس نیت سے کہ اگر نفع ملے گا تو بیچ ڈالوں گا، اگرچہ کروڑوں روپیہ کا ہو۔ اسی طرح لڑکے کے مال میں خواہ کروڑ ہا روپیہ کا ہو (حالانکہ لڑکے کے مال میں بہت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک جن میں سے حضرت عمر و حضرت علی و حضرت عائشہ و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ہیں زکوٰۃ واجب ہے اور یہی مذہب امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاقؒ کا ہے) دیکھو ہدایہ مطبوعہ مصطفائی ص۱۸۰، ص۱۸۲، ص۱۷۱، ص۱۷۲

ص۱۶۶ ، ص۱۰۱ جلد اول و درمختار مع شامی مطبوعہ دہلی ص۴۶ ، ص۱۴۱ ، ص۱۹ ، ص۱۸ جلد دوم وغایۃ الاوطار مطبوعہ نولکشور ص۴۶۲ ، ص۴۳۸ ، ص۴۴۵ جلد اول وجامع ترمذی مطبوعہ، مطبع احمدی میرٹھ ص۸۵)

پھر اگر کوئی شخص بلا دلیل اپنے جی سے خلاصہ نکال کر احناف پر اعتراض کرے تو کیا اس کی یہ حرکت بے جا نہ سمجھی جائے گی۔ اسی طرح اوروں پر بھی سمجھو۔ انصاف کر بے انصافی چھوڑ دو۔

اور واضح ہو کہ اصل کتاب (دُررِ بہیّہ) میں اس جگہ یوں ہے:۔

"زکوٰۃ الحیوان انما تجب منه فی النعم وھی الابل والبقر والغنم"

اور اس میں کچھ غلطی نہیں ہے کیونکہ بقر کا لفظ عرب کی زبان میں گائے اور بھینس دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح غنم کا لفظ بھیڑ اور بکری دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ قاموس اور ہدایہ مطبوعہ مصطفائی ص۱۰۱ جلد اول اور شامی مطبوعہ دہلی ص۱۹،۱۵ جلد ۲ وغیرہ میں مذکور ہے۔

اس صورت میں ہماری دانست میں مترجم سے بقر اور غنم کے ترجمے میں ضرور مسامحہ ہو گیا ہے مگر یہ کہ محاورۂ اردو میں بھی گائے کا لفظ مثل بقر کے بھینس کو اور بکری کا لفظ غنم کے بھیڑ کو شامل ہو۔

وجہ اس مسامحہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ بقر کا لفظ گائے میں اور غنم کا لفظ بکری میں بہت مستعمل و مشہور ہے۔ ترجمے کے وقت اسی مشہور کی طرف خیال جاتا رہا۔

آٹھواں مسئلہ: جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک خالہ سوتیلی یعنی جس کا باپ ایک ہو اور ماں جدا جدا اس

لہ (جانور کی زکوٰۃ کا بیان) جانوروں میں سے صرف چار پائے میں زکوٰۃ واجب ہے اور چار پائے اونٹ اور بقر (یعنی گائے، بھینس) اور غنم (یعنی بھیڑ، بکری، دنبہ) ہیں۔

سے اس کے بھانجے کا نکاح درست ہے اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ فتوئے مہری مولوی عبدالقادر (غیر مقلد شاگرد مولوی نذیر حسین ساکن دہلی امام کالی مسجد) میں کہ جس پر بلا انکار مولوی نذیر حسین کی مہر موجود ہے اور وہ فتوئے کاتب الحروف کے بعض احباب کے پاس موجود ہے۔

جواب: اس مسئلہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ان پر اتہام بے جا ہے۔ ہم نے اہل حدیث کی کسی کتاب میں یہ لکھا نہیں دیکھا ہے اور اس فتوئے کو جس کا رسالہ دار نے حوالہ دیا ہے مجیب صاحب کو چاہیے کہ پیش کریں۔

نواں مسئلہ: جو اس رسالہ میں اہلحدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک ایک طلاق سے زائد دو طلاق دی ہوں یا تین اور بیچ میں رجوع نہ کیا ہو تو دو طلاق یا تین طلاق واقع نہ ہوں گی اور اس کے خاوند کو وہ عورت بغیر حلالہ کے درست ہو جائے گی اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ کتاب طریقہ محمدیہ کے ص۲۶ میں مذکور ہے حالانکہ یہ بالکل خلاف ہے قرآن مجید اور تمام اہل اسلام سے۔

جواب: دو طلاقوں میں تو سبھی کے نزدیک وہ عورت اپنے خاوند کو بغیر حلالہ کے درست ہے۔ اور کسی فرقہ اسلامیہ کو بھی اس میں خلاف نہیں ہے۔ اور یہ امر ایسا ظاہر ہے کہ اس میں کسی کتاب کے حوالہ دینے کی کچھ حاجت نہیں ہے تاہم بعض کتب معتبرہ احناف کا حوالہ دیا جاتا ہے (دیکھو ہدایہ مطبوعہ مصطفائی ص۳۷۴ و نور الہدایہ مطبوعہ نظامی ص۵۹ جلد ۲) ——— اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ مسئلہ ایسی صاف و روشن طرح سے بیان ہوا ہے جس میں اختلاف رائے کا موقع باقی ہی نہیں چھوڑا ہے۔ سورہ بقرہ کے رکوع ۲۹ میں فرمایا ہے:۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ

یعنی طلاق (رجعی) دو طلاقیں ہیں۔ دو دفعہ کر کے پھر رکھنا ہے (عورت کو

اچھی طرح سے یا رخصت کرنا ہے اچھی طرح سے۔

مجیب صاحب کو چاہیئے کہ اس کا نشان دیویں کہ وہ کون سا قرآن ہے جس میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ دو طلاقوں میں بھی عورت اپنے خاوند کو بغیر حلالہ کے درست نہیں ہے اور وہ کون سے تمام اہل اسلام ہیں جن کا یہ مسئلہ ہے تاکہ اس مسئلہ کا اس قرآن اور ان تمام اہلِ اسلام کے خلاف ہونا معلوم ہو۔ لیکن مجیب صاحب تنہا کیا اپنے تمام جانب داروں کے ساتھ بھی مل کر چاہیں کہ ان باتوں کا نشان دیویں تو ہرگز "تا قیامِ قیامت" نشان نہیں دے سکتے، بجز اس کے کہ یہ کہیں کہ اب رسالہ دار پر کوئی نیا قرآن اترا ہے جس میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے اور تمام اہل اسلام سے اسی کی امت (یعنی اسی کے اعوان وانصار وہم خیال) مراد ہیں۔

باقی رہیں تین طلاقیں۔ تین طلاقیں جو اکٹھا دی جائیں اس میں اختلاف ہے کہ تین واقع ہوتی ہیں یا ایک۔ کسی کے نزدیک ترجیح تین کے واقع ہونے کو ہے اور کسی کے نزدیک ایک کے۔ تو جس کے نزدیک ترجیح اول کو ہے اس کے نزدیک عورت بغیر حلالہ کے درست نہیں ہے اور جس کے نزدیک ترجیح ثانی کو ہے اس کے نزدیک بغیر حلالہ کے درست ہے (دیکھو تفسیر کبیر مطبوعہ استنبول ص۳۷۲ جلد ۲، و معانی الآثار طحاوی مطبوعہ مصطفائی ص۳۱ جلد ۲ و فتح الباری مطبوعہ مصر ص۳۱۶ جلد ۹ و نیل الاوطار مطبوعہ مصر ص۱۵۴، ص۱۵۵ جلد ۶)

رہا یہ امر کہ قرآن مجید سے کس کے قول کی ترجیح نکلتی ہے اس کی بحث بہت طویل ہے اس وقت اس بحث کے چھیڑنے کی حاجت نہیں ہے اس وقت صرف اسی قدر اظہار مقصود ہے کہ جو رسالہ دار نے لکھا ہے کہ:۔

"یہ بالکل خلاف ہے قرآن مجید اور تمام اہلِ اسلام کے ہے۔"

کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

دسواں مسئلہ: جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نزدیک مرد پر سونے کا زیور حرام ہے نہ اور چیزوں کا۔ اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ طریقہ محمدیہ کے ص۳۰ میں مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ مرد کو خواہ مولوی ہو یا واعظ یا ہجڑا، چاندی کے پازیب بالے بالیاں وغیرہ سب درست ہیں۔

جواب: اس مسئلہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے ان پر اتہام بے جا ہے اور طریقہ محمدیہ میں یہ کہیں ہے کہ مرد کو چاندی کے پازیب بالے بالیاں، کنگن سب درست ہیں۔ اس میں تو یوں ہے کہ:۔

"مرد پر سونے کا زیور مطلقاً حرام ہے اور چاندی کا وہ زیور جس میں عورتوں سے مشابہت لازم نہیں آتی جیسے تلوار کا قبضہ یا انگوٹھی وغیرہ) مرد پر حرام نہیں اور چاندی کا وہ زیور جس میں عورتوں سے مشابہت لازم آتی ہے مرد پر حرام ہے۔"

اور ظاہر ہے کہ پازیب، بالے، بالیاں، کنگن خاص عورتوں کے پہناوے ہیں نہ مردوں کے تو مردوں کو درست ہونا کہاں سے نکلا؟

اور کتاب دلیل الطالب جو نواب صاحب کی خاص تصنیف ہے اس میں اس مسئلہ کو بہت بسط سے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ:۔

"جو شخص مردوں کے لیے چاندی کے استعمال کے جائز ہونے کا قائل ہے وہ کہتا ہے کہ چاندی کا استعمال عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ مرد اور عورت دونوں اس میں برابر ہیں (جیسے کپڑا وغیرہ) ہاں طریقہ استعمال ہر ایک کا جدا ہے اس لیے مشابہت ایک کی دوسرے سے لازم نہیں آتی۔ تو مرد اگر اپنا ہتھیار یا منطقہ (پیٹی)

چاندی سے آراستہ کرے تو کوئی وجہ اس کی ممانعت کی نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار میں چاندی کا ہونا ثابت ہے۔ (دیکھو دلیل الطالب صفحہ ۴۳۵، صفحہ ۴۳۶)

اور اس مسئلہ پر بھی رسالہ دار کا اعتراض کرنا سخت بے جا ہے کہ مرد کو چاندی کی انگوٹھی پہننا یا منطقہ اور تلوار کا چاندی سے آراستہ کرنا کتب معتبرہ احناف میں بلا خلاف مرقوم ہے اور اس کی دلیل یہی لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب امور ثابت ہیں۔ (دیکھو ہدایہ مطبوعہ مصطفائی صفحہ ۴۶۱ جلد ۴ و در مختار مع شامی مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۲۹ جلد ۴ وغیرہ)

گیارھواں مسئلہ: جو اس رسالہ میں اہل حدیث کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ ہے کہ پنیر جو شام میں سور کے پنیر مایہ سے بنایا جاتا اس کا مشہور تھا یا اور چیزیں کہ جن میں سور کی چربی پڑنی مشہور تھی۔ جب وہ آنحضرت علیہ السلام کے پاس آتی تھی آپ بلا دریافت کھاتے تھے اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ فتوی مہری مولوی عطا محمد میں ہے جو رسالہ اظہار الحق مطبوعہ مطبع آتالیق ہند واقع لاہور میں مندرج ہے اور اس رسالہ میں مولوی نذیر حسین صاحب وغیرہ کی بھی مہریں موجود ہیں اور اس رسالہ کے چھپوانے میں مولوی نذیر حسین صاحب نے کوشش تام فرمائی چنانچہ مصنف رسالہ مذکور شروع میں اس امر پر تصریح کرتا ہے۔

جواب: اس مسئلہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرح صحیح نہیں ہے۔ محض اتہام بے جا ہے اور جو یہ مسئلہ فتوے مہری مولوی عطا محمد میں ہے اس سے اہلحدیث پر کیا الزام ہے۔ مولوی عطا محمد نے تو یہ مسئلہ اہل حدیث کی کسی کتاب سے نہیں لکھا ہے بلکہ ایک فقہ کی کتاب سے (جس کا مصنف شافعی المذہب ہے اور سنا ہے کہ مصر میں چھپی ہے) لکھا ہے جس کا نام خود مولوی عطا محمد نے ذکر دیا ہے (العیتیرة والبصیرہ)

کی شرح فتح العین اجس کا رسالہ دار نے مصلحتہً ذکر نہیں کیا اور خود مولوی عطا محمد کو سنا ہے کہ حنفی المذہب تھے اب فوت ہوئے۔

اور جو لکھا ہے کہ اس رسالہ میں مولوی نذیر حسین صاحب کی بھی مہر موجود ہے اس سے کیا مطلب ہے۔ اگر یہ مطلب ہے کہ مولوی صاحب ممدوح کے تمام رسالے کی بابت مہر موجود ہے تو یہ محض کذب وبہتان ہے اس لیے کہ رسالہ مذکور بہت سے فتووں کا مجموعہ ہے اس میں بصفحہ ۲۹، ۳۰ دو فتوے بجواب دو سوالوں کے جناب ممدوح کے بھی موجود ہیں اور انہیں دونوں فتووں پر جناب ممدوح کی مہر ہے اور ان دونوں میں اس مسئلہ کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ ہم دونوں فتوے مع ہر دو سوال کے اس جگہ پر نقل کرتے ہیں گو اصل رسالہ کے ملاحظہ سے حقیقۃ الحال بخوبی منکشف ہو سکتی ہے۔

سوالِ اوّل

نصاریٰ کے کنوؤں اور ظروف کا پانی جو جملہ نجاسات اور منجسات علی اختلاف المذاہب ہے یقیناً مبرا ہو ان لوگوں کو استعمال میں لانا جو اپنے دین سے واقف ہیں اور خوف اور ضرر اختلاط مداہنت سے مامون ہیں اور ان کے اس استعمالِ آب سے ان کی ریا ذتی اور سستی دین کا اندیشہ نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

سوالِ دوم

طعام نصاریٰ جو من جملہ محرمات ونجاسات مقررہ کل مذاہب اسلامیہ سے محفوظ وخالی ہو ایسے لوگوں کو کھالینا ــــــ جن کی تشریح سوال اول میں گزر چکی ہے جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا وتوجروا۔

جواب

جائز ہے بدلیل حدیث صحیح بخاری کے آنحضرت نے ایک عورت مشرکہ کے پکھال سے لوگوں کو پانی پلایا اور وضو اور غسل کرایا۔ اور حدیث بخاری اور حدیث رزین کے کہ حضرت عمرؓ نے عورت نصرانیہ کی ٹھلیا سے وضو کیا اور حدیث ترمذی کے کہ آنحضرتؐ سے قبیصہ نے سوال کیا طعام نصاریٰ سے تو آپؐ نے اجازت دی اور فرمایا:۔

لا یتخلجن فی صدرك طعام ضارعت فیه النصرانیه

اور اغاثۃ اللہفان میں بھی آثار منقول ہیں کہ:۔

"علیؓ وغیرہ صحابہؓ نے اہلِ کتاب کا کھانا کھایا"

اور جو احادیث اور آثار اس کے معارض منقول ہیں وہ محمول ہیں مظنۂ نجاست پر یا جہلا اشخاص پر جن سے خوف سستی دین و تجاوز حدود ہیں اور نہ ان سے سوال ہے اور نہ ان کے حق میں جواب ہے۔ واللہ اعلم وعلمہٗ اتم و احکم فقط

مہر جناب مولوی	مہر جناب مولوی	مہر جناب مولوی	مہر جناب مولوی
محمد عبد الحکیم	سید شریف حسین	سید محمد نذیر حسین	سید احمد حسین

مہر جناب مولوی	مہر جناب مولوی
ابو سعید حسین	محمد عبد الحکیم

اصل یہ ہے کہ یہ رسالہ جناب مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کی خدمت میں مرتب ہو کر پیش نہیں ہوا تھا۔ جناب ممدوح کے پاس دونوں سوال مذکور ہوئے تو انہوں نے ان کا جواب لکھ کر اپنی مہر ثبت فرما دی تھی۔ پھر خان احمد شاہ قائم مقام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر ہوشیارپور نے اور چند فتوے علما دہلی و لاہور و امرتسر و کپورتھلہ و ہوشیارپور وغیرہ سے حاصل کر کے اپنے طور پر ترتیب دے کر شائع کر دیے چنانچہ خود انہوں نے شروع رسالہ مذکور میں اس امر کی تصریح کر دی ہے۔

اور جناب مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب نے اپنے فتوے مطبوعہ مطبع حنفی دہلی میں جو ۱۲۹۸ھ میں شائع ہو چکا ہے تیسرے سوال کے جواب میں فرمایا ہے کہ:

"سور کی چربی کسی شے میں مل جاوے تو اس شے کا کھانا سب کے نزدیک حرام ہے اور حرمت سور کی نص قطعی قرآن سے ثابت ہے اور اس کی حرمت احادیث سے بھی ثابت ہے اور منکر اس کا کافر ہے۔"

ایسا ہی اپنے فتوے مندرجہ کتاب ہدایۃ القلوب القاسیہ میں جو ۱۲۹۵ھ میں مطبع انصاری دہلی میں طبع ہوا تھا، فرماتے ہیں۔

اور اگر یہ مطلب نہیں تو اہل حدیث پر اس کا اتہام بے جا ہے اور انصاف کا خون کرنا ہے اور جو لکھا ہے کہ اس رسالہ کے چھپوانے میں مولوی نذیر حسین صاحب نے کوشش تام فرمائی ہے۔ چنانچہ مصنف رسالہ مذکور شروع میں اس امر پر تصریح کرتا ہے۔ یہ بھی محض کذب اور بہتان ہے، نہ مولانا ممدوح نے اس کے چھپوانے میں کوشش فرمائی ہے نہ مصنف رسالہ مذکور نے کہیں اس امر کی تصریح کی ہے مجیب صاحب کو چاہیے کہ اصل رسالہ "اظہار الحق" میں ان سب باتوں کا معائنہ کراویں ورنہ ظلم سے ہاتھ کھینچیں فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ

پہلے سوال کے جواب پر بحث ختم ہوئی

اب دوسرے سوال کے جواب پر بحث شروع ہوتی ہے

اِس بحث سے رسالہ دار کی بے انصافی خوب ظاہر ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رسالہ دار کو اس کتاب کے بنانے سے بندگانِ خدا کو ہدایت کرنی اور ان کو اچھی راہ بتانی ملحوظ نہ تھی بلکہ سچی باتوں پر پردہ ڈالنا اور اس کو چھپانا اور اس کے ذریعے سے بندگانِ خدا میں تفرقہ اور فساد ڈالنا مقصود تھا جس سے حفظ امن عامہ میں فتور پڑے اور بندگانِ خدا

کے دنیاوی و دینی کاموں میں حرج و نقصان واقع ہوا اور اس کے اعوان و انصار جنہوں نے اس کام میں اس کی تائید کی اور اس کے اس رسالہ پر اپنی مہریں و دستخط کر دیے یا اس کے اشاعت و اذاعت میں کوششیں فرمائیں سب کے سب بموجب احادیث شریفہ منقولہ مندرجہ ذیل:-

○ عن جرير رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سن في الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده غير ان ينقص من اجورهم شيء ومن سن في الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من غير ان ينقص من اوزارهم شيء رواه مسلم والنسائي وابن ماجة والترمذي

○ وعن حذيفة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سن خيرا فاستن به كان له اجره ومثل اجور من تبعه غير منتقص من اجورهم شيئا ومن سن شرا فاستن به كان عليه وزره ومثل اوزار من تبعه غير منتقص من اوزارهم شيئا رواه احمد والحاكم وقال صحيح الاسناد ورواه ابن ماجة من حديث ابي هريرة

○ وعن عمرو بن عوف ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لبلال بن الحارث اعلم يا بلال قال ما اعلم يا رسول الله قال انه من احيى سنة من سنتي قد اميتت

بعدی کان لہ من الاجر مثل من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجورہم شیئا و من ابتدع بدعۃ ضلالۃ لا یرضاھا اللہ و رسولہ کان لہ مثل آثام من عمل بہا لا ینقص ذلک من اوزار الناس شیئاً رواہ ابن ماجۃ والترمذی وحسنۃ (من کتاب الترغیب والترہیب للحافظ عبد العظیم المنذری ص۲۹،۳۰)

اس وزر و وبال میں رسالہ دار کے شریک ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت کرے اللھم وفقنا لما تحب و ترضٰی واجعل آخرتنا خیرا من الاولیٰ آمین ثم آمین

دوسرے سوال کے جواب پر بحث

رسالہ دار نے دوسرے سوال کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ گروہ اہل حدیث سے مخالطت و مجالست کرنا اور ان کو اپنی خوشی سے مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ مسائل مذکورہ سے معلوم ہوا کہ یہ فرقہ اہل بدعت ہے نہ اہل سنت اور مخالطت اور مجالست اہل بدعت سے شرعاً ممنوع ہے (اور اس اخیر فقرے کے ثبوت میں ایک حدیث اور دو عبارتیں دو کتابوں کی نقل کی ہیں

جواب: اس دوسرے سوال کے جواب میں دو دعوے کیے ہیں:۔

ایک یہ کہ فرقہ اہل حدیث سے مخالطت اور مجالست کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

دوسرا یہ کہ ان کو اپنی خوشی سے مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے۔

اور جو دلیل بیان کی ہے وہ بفرض[1] صحت صرف پہلے دعوے کی دلیل ہو سکتی ہے ــــ اور دوسرا دعوےٰ جو اس رسالہ کا ظاہراً اصلی مقصود ہے اس کو محض

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

بے دلیل چھوڑ دیا ہے کوئی ٹوٹی پھوٹی دلیل بھی اس کی نہیں لکھی ہے اور بنظرِ تغلیط عوام و فریب دہی کے دلو دعوے یکجا ذکر کر کے ذیل میں برائے نام ایک دلیل لکھ دی تاکہ عوام دھوکے میں آکر جانیں کہ دونوں دعوے مدلل ہیں۔

اصل تو یہ ہے کہ یہ حضرت اس کی دلیل کہاں سے لا سکتے ہیں۔ تمام روئے زمین کے لوگ اکٹھا ہو کر جائیں کہ اس کی دلیل شرعی لائیں تو نہیں لا سکتے۔ تمام اگلے پچھلے علماء نے اہلِ بدعت کا حال لکھا مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ ان کو مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے۔ شیعہ وغیرہ جو اپنے اہل سنت نہ ہونے کے اقراری ہیں وہ تو مسجد میں برابر نماز پڑھتے ہیں آج تک کسی امام و مجتہد سے ان کو مسجد میں نماز خوانی سے روکنے کا فتوٰے منقول نہ ہوا اور خاص حرمین شریفین میں یہ سب مختلف فرقے ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور کوئی کسی سے معترض و مزاحم نہیں ہوتا اور یہ حضرت تمام دنیا کے اگلے پچھلے مسلمانوں سے الگ ہو کر زمرۂ اہل حدیث کو جو اصل اہل سنت ہیں چند بے جا تہمتیں لگا کر مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع لکھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ ان کی شرع کون سی ہے جس میں اہل حدیث کا مسجد میں آنے دینا ممنوع لکھا ہے۔

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) بلفرضِ صحت اس لیے کہا گیا کہ اگر اس دلیل کو صحیح مان لیں تو سوائے رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار کے جتنے حنفی شافعی مالکی حنبلی موجود یا گزرے ہیں اور جتنے ان سے پہلے اہل اسلام صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین گزرے ہیں سب کے سب معاذ اللہ اہل بدعت ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ ان عقائد و مسائل میں سے بیشتر انہیں حضرات کے عقائد او رمسائل ہیں۔ چنانچہ بحث جواب اول سے بخوبی واضح ہوا۔

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عیسائیوں کو اپنی مسجد میں آنے دینا اور ان کا اس مقدس مسجد میں اپنے طریقہ کے مطابق نماز پڑھنا اور کفار و مشرکین کو آپ کا اس مسجد میں اتارنا اور امام ابو حنیفہؒ کا کفار کو نجس نہ ٹھہرانا اور ان کو عام مسجدوں میں آنے کی اجازت دینا ہم حصہ اول میں مشروحاً لکھ چکے ہیں۔

لہ عبارت حصہ اول کی اس مقام کی جس کا یہاں پر حوالہ دیا گیا ہے یہ ہے۔ تفسیر ابو السعود مفتی رومؒ مطبوعہ استنبول کے صفحہ ۵۸۶ جلد دوم و تفسیر مظہری مصنفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مطبوعہ حصار کے صفحہ ۳۴۶ جلد اول و دیگر کتب معتبرہ میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایسے لوگوں کو بھی اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے جو کہ مسلمان ہی نہ تھے بلکہ عیسائی مذہب رکھتے تھے اور وہ لوگ مع افسر جس کا نام عبد المسیح تھا ساٹھ آدمی تھے۔ یہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ میں مقام نجران سے سفیر آئے تھے۔ آپ کی مسجد میں داخل ہوئے وہیں ان کی نماز کا وقت آگیا۔ نماز پڑھنے کو کھڑے ہو گئے۔ بعض اشخاص حاضرین ان کے مزاحم ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو نماز پڑھنے کی اجازت دی اور ان مزاحمت کرنے والوں کو اس بے جا مزاحمت سے باز رکھا۔ انہوں نے حسب اجازت خاص اس مقدس مسجد میں اپنے طریقہ کے مطابق رو بمشرق (یعنی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی) اور ہدایہ چھاپہ مصطفائی کے صفحہ ۳۷۶ جلد ۴ میں مرقوم ہے کہ قبیلہ ثقیف کے جو سفیر آئے تھے اور وہ کفار تھے ان کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں اتارا تھا۔ اور تخریج ہدایہ زیلعیؒ چھاپہ علوی کے صفحہ ۳۰۴ میں اتنا اور بھی لکھا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ان کو مسجد میں اتارتے ہیں حالانکہ یہ لوگ مشرک ہیں تب آپ نے فرمایا کہ زمین نجس نہیں ہو جاتی۔ اسی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کافروں مشرکوں کو نجس نہیں فرماتے اور عام مسجدوں میں ان کو آنے کی اجازت دیتے ہیں (دیکھو ہدایہ چھاپہ مصطفائی صفحہ ۳۷۶ جلد ۴ و در مختار مع شامی چھاپہ دہلی صفحہ ۲۴۵ جلد ۵

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار امام ابوحنیفہؒ سے بھی پورا انحراف رکھتے ہیں کہ برخلاف ان کے فتوے کے جو تمام معتبرات احناف میں موجود ہے فتوے دیتے ہیں اور جھوٹ اپنے کو حنفی سنی لکھ کر امام ممدوح کو بدنام کرتے ہیں۔

اور جو لکھا ہے کہ مسائل مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اہلِ حدیث اہلِ بدعت ہیں نہ اہلِ سنت، محض باطل ہے اس لیے کہ مسائل مذکورہ سے یہ ہرگز معلوم نہ ہوا کہ اہلِ حدیث اہلِ بدعت ہیں نہ اہلِ سنت چنانچہ بحث جواب سوالِ اول سے اس کا حال بخوبی منکشف ہوا۔ ہاں انتساب مسائل مذکور سے اہلِ حدیث کی طرف رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار کا ظلم اور بے انصافی اور اہلِ حدیث بے چاروں پر بہتان و افترا پردازی البتہ معلوم ہوئی۔

اور اگر فرضاً یہ قول صحیح ٹھہرے تو سوائے رسالہ دار اور اس کے اعوانِ انصار کے جتنے حنفی شافعی، مالکی، حنبلی موجود یا گزرے ہیں اور جتنے ان چاروں سے پہلے اہلِ اسلام حضرات صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین و محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین گزرے ہیں سب کے سب معاذ اللہ اہلِ بدعت ٹھہر جائیں گے۔ کیونکہ ان عقائد و مسائل میں سے بیشتر انہیں حضرات کے عقائد و مسائل ہیں۔ چنانچہ بحث جواب سوال اول سے بخوبی واضح ہو چکا۔

اور جو لکھا ہے کہ مخالطت اور مجالست اہل بدعت سے شرعاً ممنوع ہے، بہت صحیح بات ہے (جس حالت میں کہ منجر بمداہنت ہو) لیکن یہ دیکھیں کہ اہلِ بدعت کون لوگ ہیں جو اللہ و رسول کی اطاعت کو اپنے مذہب کا اصل الاصول جانتے ہیں، اور اللہ رسول کے کلام کے مقابلہ میں کسی کی نہیں سنتے یا جو ان پر طرح طرح کے بے جا اتہامات لگا کر قرآن و حدیث پر عمل کرنے سے لوگوں کو روکتے

اور نفرت دلاتے ہیں۔

حضرت محبوب سبحانی سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ غنیۃ الطالبین مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی کے ص ۱۹۸، ص ۱۹۹، ص ۲۱۱، ص ۲۱۲ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"اہل بدعت کی علامت یہ ہے کہ اہل حدیث کی مذمت اور عیب جوئی میں لگے رہتے ہیں اور ان کے طرح طرح کے نام رکھتے ہیں، کوئی ان کو "حشویہ" کہتا ہے کوئی "مجبرہ" کہتا ہے کوئی "مشبہہ" کہتا ہے کوئی اور کچھ کہتا ہے حالانکہ ان کا کوئی نام نہیں ہے بجز ایک نام کے کہ وہ "اہل حدیث" ہے اور اہل بدعت نے جو جو نام ان کے مقرر کیے ہیں وہ ان پر چسپاں نہیں ہوتے۔ جس طرح کہ کفار مکہ نے جو جو نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے تھے (یعنی ساحر، شاعر، مجنون، مفتون، کاہن) وہ آپ پر چسپاں نہ تھے اور نہ تھا آپ کا نام مبارک اللہ کے نزدیک اور اس کے فرشتوں اور ساری مخلوقات کے نزدیک مگر رسول، نبی۔ تمام عیبوں سے بری۔"

اور جو اس کے بعد ایک حدیث لکھی ہے (جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوبی اور ان میں نقصان اور عیب نکالنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ان کے ساتھ کھانے پینے نکاح کرنے اور نماز پڑھنے وغیرہ سے منع فرمایا ہے)

اولاً :مجیب صاحب کو چاہیے کہ اس کی سند کتب معتبرۂ احادیث و اسماء الرجال سے تحریر فرمائیں کہ اس کے سب راوی کیسے ہیں ثقہ ہیں یا نہیں؟ اور ایک کو دوسرے سے سماع یا لقاء ہے یا نہیں اور ان میں کوئی مدلس ہے یا نہیں؟ اور حافظہ کے کیسے ہیں اور علت و شذوذ سے سالم ہے یا نہیں کیونکہ استدلال کسی حدیث سے ان باتوں کی تحقیق پر موقوف ہے۔

ثانیاً: یہ دیکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نقصان اور عیب نکالنے والے کون لوگ ہیں جو ان کے عقائد و مسائل پر طعن کریں جیسا کہ بحث جواب سوالِ اول سے معلوم ہو چکا۔ یا جو ان کو دین کا پیشوا اور خدائے تعالیٰ کا برگزیدہ اور پیارا بندہ جانیں جیسے اہلِ حدیث۔

اور جو اس کے بعد تفسیر عزیزی کی عبارت نقل کی ہے جس میں سہل بن عبد اللہ تستری کا قول منقول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"مرد صحیح الایمان را باید کہ با بدعتیاں اُنس نہ گیرد و ہم مجلس و ہم کاسہ و ہم نوالہ بالیشاں نشود و ہر کہ با بدعتیاں دوستی پیدا کند نور ایمان و حلاوت آں از دے برگیرند"

بہت صحیح بات ہے لیکن یہاں بھی وہی دیکھیں جو اوپر مذکور ہوا کہ اہل بدعت تو کون لوگ ہیں؟

اور جو اس کے بعد طحطاوی کی عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"فرقہ ناجیہ یعنی فرقہ اہل سنت اب چار مذہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں جمع ہو گیا ہے اور جو ان چاروں سے اس زمانہ میں خارج ہے وہ اہلِ بدعت اور دوزخی ہے"

اصل میں یہ عبارت خود طحطاوی کی نہیں ہے بلکہ ایک مفسر کی عبارت ہے، طحطاوی نے اس کو نقل کر دیا ہے۔

اور اس کا مطلب صاف اور واضح طور پر اسی قدر ہے کہ اس مفسر کے زمانے میں فرقہ اہل سنت میں سے وہی لوگ رہ گئے تھے جو حنفی، شافعی، مالکی حنبلی کہلاتے تھے اور ان چاروں کے سوا دوسرے لوگ فرقہ اہل سنت میں سے باقی نہیں رہے تھے اور جو ان کے سوا باقی رہ گئے تھے وہ فرقہ اہل سنت میں سے

نہ تھے بلکہ فرقہ اہلِ بدعت (مثل جبریہ و جہمیہ وغیرہ) میں سے تھے جو فرقہ اہلِ سنت سے اصول میں مخالف ہیں۔

اور مفسر مذکور نے یہ ایک امر اتفاقی اپنے زمانے کا بیان کیا ہے جو اس کے زمانے میں اتفاقاً ایسا واقع ہوگیا تھا۔ اور اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جاتا کہ جو ان چاروں سے خارج ہے وہ مطلقاً اہلِ سنت سے خارج اور اہلِ بدعت میں داخل اور دوزخی ہے۔ حاشا و کلاّ ــــ یہ مطلب اس کی عبارت کا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور یہ مطلب کیونکر ہو سکتا ہے عجب کہ اس نے خود ہی دو جگہ پر اس عبارت میں اپنے زمانے کی قید لگا دی ہے۔

اور نیز اگر یہ مطلب اس کی عبارت کا کہا جاوے تو معاذ اللہ تمام ائمہ اہلِ سنت اور ان کے پیرو جو ان چاروں کے سوا گزرے ہیں اور تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین اور تمام علمائے اصولیین جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہونے کی تکلیف نہیں دی ہے اور تمام فقہائے حنفیہ جنہوں نے چاروں مذہب سے باہر فتوے دیے ہیں، اہلِ بدعت اور دوزخی ٹھہریں گے اور جب اس عبارت کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا تو اس سے اہلِ حدیث کے اہلِ بدعت ہونے پر استدلال کرنا نہایت امرِ بے جا ہے۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ جس طرح اس مفسر کے زمانے کے قبل فرقہ اہلِ سنت کے لوگ جو ان چاروں سے خارج تھے اہلِ بدعت اور دوزخی نہ تھے اسی طرح اس مفسر کے زمانے کے بعد جو اس فرقے کے لوگ ان چاروں سے باہر ہیں اہلِ بدعت اور دوزخی کیونکر ہو سکتے ہیں دونوں زمانوں میں اس امر میں فرق کا قائل تو وہی شخص ہو سکتا ہے جو ختم نبوت کا معاذ اللہ قائل نہیں ہے بلکہ اس

مفسر کے زمانے میں یا اس کے بعد کسی اور نبی ناسخ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے مبعوث ہونے کا قائل ہے ورنہ بدون اس کے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو طریقہ کہ مفسر مذکور کے زمانے کے قبل محمود سمجھا جاتا تھا اور اس پر چلنے والے اہل سنت اور اہل جنت تصور کیے جاتے تھے وہی طریقہ اس مفسر کے زمانے کے بعد مذموم ہو جائے اور اس پر چلنے والے اہل بدعت اور دوزخی ٹھہریں۔ و ہذا ظاہر اجدا۔

اور نیز واضح رہے کہ مفسر مذکور نے یہ حال اپنے زمانے کے دنیا بھر کے لوگوں کا نہیں لکھا ہے بلکہ صرف اپنے قرب وجوار کے لوگوں کا لکھا ہے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے بولتے ہیں کہ اچھے لوگ اب صرف فلاں قوم میں رہ گئے ہیں تو اس سے یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ اس زمانے میں اس قرب وجوار میں ایسا حال ہے نہ کہ تمام دنیا میں۔ اسی طرح یہاں پر بھی سمجھنا چاہیئے اور اس کی ایک مثال پہلے عقیدے کے جواب میں بھی گذر چکی ہے جہاں فرقہ اشاعرہ و ماتریدیہ کا مذکور ہوا ہے کہ دیار خراسان و عراق و شام و دیگر اماکن واقطار میں فرقہ اشاعرہ ہی کو اہل سنت و جماعت کہتے ہیں اور دیار ماوراء النہر میں صرف فرقہ ماتریدیہ کو اس لقب (اہل سنت و جماعت) سے ملقب کرتے ہیں۔

اور یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس مفسر نے اپنے زمانے کے دنیا بھر کے لوگوں کا حال لکھا ہے حالانکہ یہ بہت ظاہر ہے کہ نہ اس کے پاس ایسا کوئی آلہ تھا نہ اور کسی کے پاس جس سے تمام دنیا کے ہر ایک آدمی کا حال بالتفصیل دریافت ہو جاتا تھا کہ کون کس مذہب کا ہے اور کون کس مذہب کا۔ مفسر مذکور نے جب یہ عبارت لکھی تھی اس زمانے میں آلات کی صفائی کی ایسی ترقی نہیں ہوئی تھی۔ جو اب سرکار انگلشیہ کے زمانے میں ہوئی ہے اور یوماً فیوماً ہوتی جاتی ہے اور ترقی اخبار

کا حال بھی جس درجہ پر اب ہے خوب ظاہر ہے کہ ذرا ذرا سی باتیں اخباروں کے ذریعہ سے شہرۂ آفاق ہو جاتی ہیں اور آگے یہ حال نہ تھا۔

با ایں ہمہ اس زمانے میں ایسا کوئی شخص سنا نہیں جاتا جس کے پاس اس طرح کا آلہ موجود ہو جس سے تمام دنیا کے ہر ایک شخص کا تفصیلی حال معلوم ہو جاتا ہو۔ پھر اس مفسر کے زمانہ میں ایسے آلے کے ہونے کا کیونکر گمان ہو سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس نے صرف اپنے قرب و جوار کا حال لکھا ہے تو اب اس سے لازم نہیں آتا کہ اس کے زمانے میں اور ہر جگہ کے لوگ جو چاروں مذہبوں سے خارج تھے وہ اہل سنت سے خارج اور اہل بدعت دوزخی تھے۔

تو اب خوب ثابت ہوا کہ اس عبارت کو رسالہ دار کے مطلب سے (کہ اہلِ حدیث کو اہل بدعت ٹھہراتا ہے) کچھ تعلق نہیں ہے۔

اور نیز عبارتِ مذکورہ رسالہ دار کے مطلب سے کیوں کر متعلق ہو سکتی ہے۔ مفسر مذکور نے تو اس عبارت کے بعد جس کو رسالہ دار نے نقل نہیں کیا ہے اپنے گروہ کا اہلِ حق ہونا اہل حدیث ہی کی شہادت سے ثابت کیا ہے اور انہیں کی کتب و روایات کو اس بارے میں اصل اور دلیل ٹھہرایا ہے اور کہا ہے کہ مذہب کی حقیقت مجرد دعوے سے ثابت نہیں ہوتی جب تک دلیل کے مطابق نہ ہو تو مذہب کی حقیقت اور بُطلان کی یہی شناخت ہے کہ جو مذہب کہ ان احادیثِ صحیحہ کے مطابق ہو جن کو علمائے اہل حدیث نے اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے وہ مذہب حق ہے اور جو ان کے مخالف ہو وہ باطل ہے پھر اگر اہل حدیث ہی اہل بدعت اور اہل باطل ٹھہریں گے تو ان کی شہادت کس طرح قابلِ اعتبار ہوگی اور ان کی کتب و روایات پر کیونکر وثوق ہوگا۔ پھر کسی مذہب کی حقیقت و بطلان کی شناخت کس طرح ممکن ہوگی۔

اگرچہ رسالہ دار نے جس قدر عبارت مفسر مذکور کی نقل کی ہے اسی سے اس

کا مقصود رسالہ دار سے غیر متعلق ہونا ظاہر ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا لیکن اگر وہ مفسر مذکور کی پوری عبارت اور اس کے قبل کی طحطاوی کی عبارت بھی نقل کر دیتا تو اور بھی مطلب صاف اور واضح ہو جاتا اور مقصود رسالہ دار سے اس کا غیر متعلق ہونا زیادہ تر روشن ہو جاتا۔ اور چونکہ ہمارا مقصود صرف اس قدر کا ظاہر کر دینا تھا کہ اس عبارت کو مقصودِ رسالہ دار سے کچھ تعلق نہیں ہے اور وہ حاصل ہو چکا تھا لہذا ہم نے بھی پوری عبارت کا نقل کرنا ضروری نہ سمجھا۔

دوسرے سوال کے جواب پر بھی بحث ختم ہوئی اب تیسرے سوال کے جواب پر بحث شروع ہوتی ہے

تیسرے سوال کے جواب پر بحث

رسالہ دار نے تیسرے سوال کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ مسائل مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں ہے کیونکہ مسائل مذکورہ اور عقائد مسطورہ بعض موجبِ کفر اور بعض مفسدِ نماز ہیں۔

جواب

اس میں بھی وہی کلام ہے جو اوپر کے جواب میں مذکور ہوا کہ یہ بھی سراسر باطل ہے کیونکہ مسائل مذکورہ اور عقائد مسطورہ سے یہ ہرگز معلوم نہ ہوا بلکہ ان کے اہل حدیث کی طرف انتساب کرنے سے رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار کی بے انصافی اور بیچارے اہل حدیث پر بہتان و افترا پردازی بے شبہہ معلوم ہوئی۔

اور اگر بالفرض صحیح مان لیا جائے تو سوائے رسالہ دار اور اس کے اعوان و انصار کے اور سارے مسلمان اگلے پچھلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک

سب کے سب معاذ اللہ نا قابل امامت اور فاسد الصلوٰۃ بلکہ گمراہ اور کافر ٹھہریں گے۔

کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا

علاوہ اس کے ایک بہت بڑی دلیل اس کے کذب وبطلان کی یہ بھی ہے کہ اس رسالہ پر جن پچپن ۵۵ رسالہ داروں کی مہریں ثبت ہیں ان میں سے کتنے فریق مولویان اکابر فرقہ احناف ہیں جن کی مہریں پہلے سے معاہدہ مصدقہ عدالت کمشنری دہلی پر بھی ہو چکی ہیں جس میں صاف یہ مضمون مندرج ہے کہ اہل حدیث کے پیچھے بلاشبہہ نماز درست ہے جیسے علامہ جلیل مولانا محمد شاہ صاحب و مولوی عبدالحق صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی محمد یوسف صاحب اور یہ امر ان کی شان سے بعید ہے کہ پھر اس کے خلاف پر بھی مہریں کریں اور اپنی صداقت و دیانت میں فرق ڈالیں اور معاہدہ مذکورہ کے توڑنے کا الزام اپنے ذمہ لیں اور سوائے رسالہ دار اور اس کے اعوان وانصار کے تمام اگلے پچھلے مسلمانوں کو گمراہ اور نا قابل امامت و فاسد الصلوٰۃ ٹھہرائیں۔

تیسرے سوال کے جواب پر بحث ختم ہوئی

آخری تقریر پر بحث

واضح ہو کہ رسالہ دار نے اس آخری تقریر میں اولاً اس مضمون کو لکھا ہے اور تسلیم کیا ہے (جس کو ہم حصہ اول میں بالتفصیل لکھ چکے ہیں جہاں ہم نے ان سب اتہاموں

لہ رسالہ دار نے رسالہ کے صـ۳ کے حاشیہ پر ان صاحب کو اسی لقب سے لکھا ہے اور فی الواقع یہ صاحب اس فریق کے امام و مناظر، مصنف و مذہب حنفی کے دان کے خیال میں ایک بڑے ناصر و معاون ہیں۔ چنانچہ ان کی تصنیفات اس پر شاہد ہیں

اور بہتانوں کا جو اہلِ حدیث کے ذمہ لگائے جاتے ہیں سبب بیان کیا ہے اکہ معاہدہ مصدقہ عدالت کمشنری دہلی بہ ہدایت صاحب کمشنر بہادر قسمت دہلی واسطے دفع کرنے فتنہ وفساد باہمی فریقین وقائم کرنے اتفاق وملاپ کے لکھا گیا کہ کوئی شخص دوسرے سے معترض ومزاحم نہ ہو اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھے۔

اس مضمون کے لکھنے کے بعد معاہدہ مذکورہ کی بے اعتباری اور اس کا فتوے شرعی نہ ہونا تین باطل وجہوں سے بیان کیا جس سے صاف واضح ہو گیا کہ اس رسالہ کے بنانے سے سوائے اس معاہدہ کے توڑ وانے اور حفظِ امنِ عامہ میں فتور ڈلوانے اور از سر نو انہیں فتنہ وفساد باہمی فریقین کی گرم بازاری بحال کرانے کے اور کچھ مقصود نہیں ہے ____ اور چونکہ اس مقصود کا حصول بدون کذب واتہام کے ناممکن تھا لہذا اس کے حاصل کرنے میں خاطر خواہ جھوٹ اور بے جا اتہاموں سے کام لیا۔ چنانچہ گذشتہ بحثوں سے اس کا حال بخوبی منکشف ہوا۔

اور اس طرح سے دو بھائیوں میں باہم لڑائی کرا دینا اور ان میں بُغض و عداوت ڈلوا دینا اور پھر اس میں کذب وافترا سے کام لینا سچے خیر خواہِ قوم کا کام نہیں ہے اور اس طرح کا کام شرعاً وعرفاً وعند الحکام سبھی جگہ سخت مذموم و نامحمود ہے۔

واقعہ تو یہ ہے کہ رسالہ دار اور اس کے اعوان وانصار نے اہلِ حدیث کی بدخواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور ظاہر میں تو یہ رسالہ مسائل کی چھیڑ چھاڑ ہے لیکن حقیقت میں اس کو ایک بہانہ بنایا ہے۔ مقصود ان کا کچھ اور ہی ہے۔

اب جو معاہدہ مذکور کی بے اعتباری اور اس کے فتوے شرعی نہ ہونے کی وجوہ جو رسالہ دار نے تحریر کی ہیں، بیان ہوتی ہیں۔ اس کے بعد ہر ایک کا جواب مرقوم ہو گا۔

وجہ اول یہ کہ حکام والاشان کو دینی امور میں کچھ مداخلت نہیں، نہ وہ فتووں پر دستخط کرتے ہیں۔

وجہ دوم یہ کہ نہ اس میں سوال علماء دین سے ہے نہ بحوالہ کتب دینیہ اس کا جواب رقم ہے۔

وجہ سوم یہ کہ اس پر مواہیر اور دستخط کرنے والے سب علماء نہیں بلکہ اکثر طلبہ مولوی نذیر حسین اور بعض عوام سکنائے شہر ہیں اور بعض طرفین کے مولوی بھی ہیں۔

جوابِ وجہِ اوّل

صاحب کمشنر بہادر نے امرِ دین میں کچھ مداخلت نہیں کی اور نہ بغرض تصدیق مسائل فتوے پر دستخط کیے بلکہ حسب درخواست فریقین کے بغرض شہادت مااتفق معاہدہ پر دستخط کیے گویا اس معاہدہ کو رجسٹری کروایا تاکہ مفسدین کو اس کے انکار کی گنجائش نہ رہے اور ظاہر ہے کہ کوئی امر شرعی بیع یا نکاح یا ہبہ یا طلاق عدالت میں رجسٹری کرانے سے غیر شرعی اور باطل نہیں ہو جاتا تو پھر یہ معاہدہ صاحب ممدوح کے دستخط کرانے سے کیونکر باطل اور غیر معتبر ہو جائے گا۔

جوابِ وجہ دوم

دینی مسائل اور فتاوے کے صیغے و پیرایہ کا انحصار سوال و جواب ہی پر نہیں ہے علمائے دین نے صدہا کتابیں مسائل دینیہ کی بغیر سوال کے لکھی ہیں۔ دیکھو صحیح بخاری و صحیح مسلم و دیگر کتب حدیث و ہدایہ و شرح وقایہ و دیگر کتب فقہ جن میں کہیں پر یہ مضمون یا بند علمائے دین کا لفظ نہیں ہے۔ تو کیا وہ سب مسائل دینیہ جو ان کتابوں میں مندرج ہیں غیر شرعی اور باطل تصور کیے جائیں گے۔ اسی طرح

صد ہا معاہدات شرعی مثل بیع نامہ و ہبہ نامہ و کابین نامہ وغیرہ کے ہمیشہ بلا حوالہ کتب دینیہ مرقوم ہوتے آئے ہیں حالانکہ کوئی بھی ان کو بحوالہ کتب دینیہ کے نہ ہونے سے غیر شرعی اور نامعتبر نہیں سمجھتا۔

جوابؒ وجہ سوم

یہ بات بہت ظاہر ہے کہ ہر ایک عاقل جانتا ہے کہ ایسے فساد مستطیر کے دفع کرانے اور مصالحت باہمی کرانے کے لیے عوام نہیں بلائے جاتے ہیں۔ ایسے کاموں کے لیے وہی لوگ بلائے جاتے ہیں جو اخص الخواص ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ امر خود جناب صاحب کمشنر بہادر قسمت دہلی کی تحریر مورخہ ۲۵ اپریل ۱۸۸۲ء سے (جو بجواب استفسار حضور بابت اس معاہدہ کے رقم فرمایا تھا) کہ یہ کاغذ جس مضمون کے ساتھ لکھا گیا تھا صحیح ہے بناوٹ نہیں ہے۔ ہمارے روبرو مرتب ہوکر مولویہائے پیشوا کار ہر دو فرقہ نے اس پر دستخط کیے تھے ظاہر ہے۔

اور اگر بالفرض اس پر دستخط کرنے والے سب علما نہ سہی لیکن بعض تو (جیسے مولوی عبدالحق صاحب و مولوی عبدالرب صاحب و مولوی محمد شاہ صاحب و مولوی محمد یوسف صاحب و مولوی عبداللہ صاحب و مولوی رحیم بخش صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب وغیرہم جو اس وقت اکابر علماء احناف و مرجع افتا سمجھے جاتے ہیں اور ان میں سے کئی ایک کا علما ہونا اس رسالہ میں بھی تسلیم کیا گیا ہے بلکہ انہیں علماء کی مواہیر سے اس رسالہ کو رونق دی گئی ہے اور عام لوگوں میں جو دہلی کے فتووں پر اعتماد کرنے میں قابل اعتبار بنایا گیا ہے۔ علی الخصوص علامہ جلیل جناب مولانا محمد شاہ صاحب جو اس فریق کے امام و مناظر و مصنف و مذہب حنفی کے (احناف کے خیال میں) ایک بڑے ناصر و معاون سمجھے جاتے ہیں اور گویا ایک ان اکیلے کی مہر کتنے علماء کی مہروں

سکے برابر ہے) بلا خلاف علماء ہیں اور ظاہر ہے کہ تصدیق مسئلہ کے لیے بعض مصدقین کا علماء ہونا کافی ہے۔ اس کو غیر علماء کا مان لینا اور اس کی تصدیق کر لینا اس کو فتوے شرعی ہونے سے خارج و بے اعتبار نہیں کرتا۔ اور جو اس کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"اہل حدیث نے اس کو فتوے سمجھ کر بڑی شہرت دی تاکہ اور لوگ دھوکے میں آجائیں"

اس میں دھوکہ کیا تھا۔ ایک فساد مستطیر کی بنیاد اکھاڑنے اور مصالحت باہمی کے قائم کرانے کی رائے کا اظہار تھا جس سے اور جھگڑوں میں بھی آپس کا نزاع اور فساد برطرف ہو اور ملک میں امن حاصل ہو ـــــ کیا اہل حدیث بھی مثل رسالہ دار اور اس کے ہم خیالوں کے نزاع اور فساد کے بڑھانے میں سعی و کوشش کرتے تو اچھا تھا؟

اور جو اس کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"بالفرض یہ فتویٰ بھی ہو تو اس سے ان کی وہ کتابیں کہ جن میں حضرات مقلدین کو مشرک و کافر لکھا ہے سب باطل ہو گئیں۔ آخرالامر ان کے منہ سے حق نکل گیا کہ مقلدین کے پیچھے نماز جائز رکھی"

اوّلاً تو اہل حدیث نے سب مقلدین کو کافر و مشرک لکھا ہی نہیں۔ قیاس سے یہ بہت باہر بات ہے۔ اگر لکھا ہے تو انہیں لوگوں کو لکھا ہے جو کفر و شرک کا کام کرتے ہیں۔ جن کو تمام اگلے پچھلے علماء کافر و مشرک سمجھتے چلے آئے ہیں اور ظاہر ہے کہ صرف حنفی یا شافعی نام رکھ لینے سے کوئی حنفی یا شافعی نہیں ہو جاتا جب تک کہ حنفی یا شافعی کا کام نہ کرے۔ جس طرح مجرد مسلمان یا اہل حدیث نام رکھ لینے سے کوئی مسلمان یا اہل حدیث نہیں ہو جاتا جب تک کہ ویسا کام نہ کرے اور اس کی تفصیل عقیدۂ دہم کے جواب میں گزر چکی ہے۔

اور بالفرض بقول رسالہ دار کے اہل حدیث نے ایسا لکھا بھی ہو تو جب انہوں

نے اس معاہدہ کے ذریعہ سے آپ ہی اپنے اس لکھے ہوئے سے رجوع کر لیا تو اب ان سے یہ الزام اٹھ گیا اور نزاع اور خلاف کی وجہ باقی نہ رہی کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے تو اب ان سے نزاع اور خلاف قائم رکھنا محض بے جا ہے۔

اس کے بعد مواہیر و دستخط ہیں اور بعض اہل مواہیر نے کچھ عبارتیں بھی لکھی ہیں جن سب کا جواب ہماری اوپر کی تحریر سے بخوبی ادا ہو چکا ہے۔ اعادہ کی حاجت نہیں

اللهم احسن عاقبتنا فی الامور كلها واجرنا من خزی الدنیا و عذاب الاٰخرة وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و اٰله و اصحابه و ازواجه و ذریاته و اهل بیته اجمعین آمین آمین ثم آمین

تعارف

الجامعۃ الکمالیہ دار الحدیث رجسٹرڈ

منڈی راجووال ضلع ساہیوال پاکستان

تاسیس ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء میں خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ کی بجا آوری میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب فاضل دار الحدیث رحمانیہ نے اس عظیم الشان جامعہ کی بنیاد ڈالی اور اس کو باقاعدہ ایکٹ نمبر ۲۱/۱۸۶۰ء کے مطابق بنام اہلحدیث رجسٹرڈ کرایا۔

پس منظر۔ قیام پاکستان کے بعد اس امر کی اشد ضرورت تھی کہ پاکستانی نسل کی ذہنی و فکری تربیت قرآن وسنت کی روشنی میں اس قدر پختہ کی جائے کہ وہ ہر شعبۂ زندگی میں دورِ حاضر کے مسائل کو اسلامی نقطۂ نظر سے حل کریں مسلک اہل حدیث کی ترجمانی کے لیے آئمہ، خطباء۔ اور درس گاہوں کے لیے اسلامی علوم وفنون سے بہرہ ور مدرسین کی کھیپ تیار کی جائے اس مقصد کے پیش نظر اس عظیم الشان جامعہ کی بنیاد رکھی گئی مقامی و بیرونی مقتدر علماء اور معزز حضرات کے مشورہ سے اس مبارک کام کا آغاز ہوا۔ اس وقت سے لیکر آج تک جامعہ مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے شاہراہِ ترقی پر گامزن ہے۔ سینکڑوں سے متجاوز طلبا سند یافتہ اور فیض یافتہ ہو کر مدارس عربیہ مساجد سکولوں اور کالجوں میں تعلیمی۔ تدریسی تبلیغی ملکی اور ملی خدمات سرانجام دے رہے ہیں

محل وقوع۔ جماعت اہل حدیث کا یہ عظیم الشان ادارہ تحصیل دیپالپور کے مشہور قصبہ منڈی راجووال میں برلب سڑک (قصور۔ دیپالپور روڈ) واقع ہے۔ یہاں سے لاہور، قصور، پتوکی۔ دیپالپور۔ اوکاڑہ۔ ساہیوال اور ملتان کو بسیں چلتی ہیں۔

عمارت۔ (بلڈنگ) جامعہ اپنی مستقل ذاتی عمارت میں واقع ہے جو کہ ساٹھ مرلہ اراضی سے زاید ہے۔ بانی جامعہ ہذا اور جماعت کی مسلسل جدوجہد سے ۴ کمروں پر مشتمل دار الاقامہ ۴ کمروں پر مشتمل دار التدریس۔ ایک کمرہ دار الضیافۃ اور عبادت گذاری کے لیے عظیم الشان دو منزلہ جامع مسجد۔ طلبہ کے کھانے کے لیے ایک باورچی خانہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اور یہ سب عمارات مکمل ہو چکی ہیں۔

تدریس کرے۔ ہوسٹل اساتذہ ۔ امتحانات کا ہال ۔ ڈائننگ ہال کی تعمیرات مخیر حضرات کی مرہون توجہ ہیں۔ لہٰذا صاحب خیر حضرات اپنی نگرانی میں تعمیر کرا کر فلاح دارین حاصل کریں۔ آپ بذاتِ خود تشریف لائیے ان تمام منصوبوں کا مشاہدہ کرنے کیلئے جامعہ کی انتظامیہ شب و روز چشم براہ ہے۔

شعبۂ تصنیف و تالیف ۔ کتاب و سنت کی ترویج اور نشر و اشاعت کی غرض سے مفید ترین کتابوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور مختلف عنوانات پر مفید ترین لٹریچر شائع کیا جاتا ہے۔ جامعہ میں اب تک درج ذیل پوسٹر کتب و رسائل شائع ہو کر طلباء، خطباء، علماء اور آئمہ نیز ملکی بڑی بڑی لائبریریوں میں مفت تقسیم ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

۱۔ اہلحدیث کے امتیازی مسائل ۲۔ کتاب الاذان ۳۔ ابراء اھل الحدیث والقرآن ۴۔ فہم قرآن ۵۔ تاریخ القرآن ۶۔ قبروں پر اذان ۷۔ رسالہ مطمئنہ در تحقیق مسنہ اردو ۸۔ فتاویٰ ننگے سر نماز ۹۔ رسالہ مطمئنہ منظوم پنجابی ۱۰۔ حیاتِ عیسیٰ بن مریمؑ ۱۱۔ شرعی داڑھی ۱۲۔ مختلف سورتوں کے جواب ۱۳۔ بوستان تاثرات ۱۴۔ داخلی فتنے ۱۵۔ ایک لاکھ ۱۶۔ سنتِ نبویؐ ۱۷۔ گلستان تاثرات زیر طبع۔ ۱۸۔ تذکرہ قادریؒ زیر طبع۔ ۱۹۔ نیا جال لائے پرانے شکاری۔

لائبریری ۔ جامعہ کی لائبریری میں متعدد فنون کی بیش قیمت کتابیں موجود ہیں اور ہر سال ان میں اضافہ کے لیے خطیر رقم صرف کی جاتی ہے۔ بہر حال علمی تحقیقی کام کرنے کے لیے کتب کا ایک ذخیرہ موجود ہے تاہم مراجع و مصادر کی کتب کی تشنگی ہے۔

ادبی سرگرمیاں ۔ ادبی ذوق پیدا کرنے کے لیے طلبہ کو سلیم لائبریری کے نام سے دارالمطالعہ میسر ہے جس میں ادبی کتب کے علاوہ روزنامہ، ہفت روزہ، ماہنامہ، ملکی و غیر ملکی اخبارات مستقل جاری ہیں۔

تعلیمی نظم و نسق ۔ تعلیمی امور کو منظم طریق پر چلانے کے لیے جامعہ چار شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) شعبہ علوم اسلامی۔ اس میں تفسیر، حدیث، فقہ، صرف و نحو، تاریخ، توحید، عقائد، ادب، بلاغت وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے۔

(۲) تحفیظ القرآن: اس میں فنِ تجوید و قراءت کی روشنی میں قرآن پاک حفظ کرایا جاتا ہے۔

(۳) شعبہ تفسیر: سالانہ رخصتوں کے دوران قرآن پاک کے اہم تفسیری نکات کی راہنمائی بصورت مقالہ دیلکچر کیجاتی ہے جس میں فارغ التحصیل طلباء داخلہ لیکر مستفید ہوتے ہیں اور یہ درس قرآن پاک ہر سال شعبان و رمضان (دو ماہ) ہوتا ہے

(۴) مدرسۃ البنات کمالیہ۔ اس میں لڑکیوں کو اسلامی اقدار پر زیورِ تعلیم سے روشناس کرایا جاتا ہے۔

عملہ جامعہ ۔ اساتذہ و دیگر عملہ کی تعداد آٹھ ہے۔ تفصیل یہ ہے۔

(۱) شیخ القرآن (۲) شیخ الحدیث (۳) شیخ الادب (۴) شیخ علوم الابتدائیہ (۵) شیخ التحفیظ۔

(۶) ایک باورچی (۷) ایک خادم

طلباء۔ ہر سال طلباء کی ایک معقول تعداد لیل و نہار تعلیم و تعلم میں مصروف رہتی ہے جن کا تمام قسم کے اخراجات جامعہ کے ذمہ ہے جامعہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں صرف توکلاً علی اللہ اور آپکی دعاؤں جاری ہے

سہولتیں برائے طلباء۔ طلباء کے لیے درج ذیل سہولتیں جامعہ مہیا کرتا ہے۔

نصابی کتب۔ قیام و طعام۔ علاج معالجہ۔ حجامت۔ صابون۔ وظائف سالانہ۔ حجاج و طلباء کے مہمانوں کی مہمان نوازی۔

تبلیغی سرگرمیاں ۔ تبلیغی فریضہ سے عہدہ برآ ہونے اور عوام الناس کے کانوں تک قال اللہ و قال الرسول کی آواز پہنچانے کے لیے جامعہ کانفرنسز کا اہتمام کرتا ہے جس میں قرب و جوار اور دور دراز سے آنے والے ہزاروں سامعین کے کھانے کا بندوبست جامعہ کرتا ہے بفضلہ تعالیٰ اپنے علاقہ کی مثالی اور یگانہ کانفرنسز ہوتی ہیں جن سے علاقہ کے عوام و خواص کو توحید و سنت کی برکات۔ تزکیہ نفس اور عقائد کی طہارت نصیب ہوتی ہے اور خاطر خواہ فائدہ پہنچتا ہے۔ کانفرنسز یہ ہیں

(۱) قرآن کانفرنس۔ سیرت النبیؐ کانفرنس تقسیم اسناد کانفرنس۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص اور قبولیت کی نعمت سے نوازے۔ آمین

ضروری یادداشت ۔ جامعہ جماعت اہلحدیث کا واحد منفرد۔ قدیمی درسگاہ ہے اس کے نام میں الجامعۃ الکمالیہ کا اضافہ بطور دعا کیا گیا ہے لہذا آپ جامعہ کمالیہ دار الحدیث یا صرف جامعہ کمالیہ کے نام پر خط و کتابت کریں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

عبداللہ سلیم ناظم نشر و اشاعت جامعہ کمالیہ راجووال ضلع ساہیوال